جلد ۸۲ نومبر، دسمبر ۱۹۹۸ء شمارہ - ۱۱، ۱۲

اس شمارے میں

ناشر: احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) یو ایس اے
پتہ: ۱۳۱۵ کنگز گیٹ روڈ، کولمبس، اوہائیو ۱۵۰۴-۴۳۲۲۱ (یو ایس اے)
www.aaiil.org

تتمہ: باب اول

نیا نظام عالم — ۴
اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

حضرت مولانا محمد علی مرحوم و مغفور کی معروف کتاب "نیو ورلڈ آڈر" کا ترجمہ

خلاصہ اسلامی تعلیمات: ایک خدا اور ایک انسانیت

خدا پر ایمان اسلام کی بنیاد ہے، تین قسم کے دلائل خدا کی ہستی کے متعلق دیئے گئے ہیں: (۱) مادی دنیا کی شہادت کہ دنیا کا کوئی نہ کوئی خالق اور منتظم ہونا چاہئے۔ قرآن کریم میں یہ شہادت لفظ "رب" کے گرد گھومتی ہے۔ جو خدا کی پہلی صفت ہے اور جس کی طرف وحی الٰہی بار بار ہماری توجہ دلاتی ہے: "اپنے رب کے نام سے پڑھ" (۱:۹۰) اور جس سے قرآن شریف کی ابتداء ہوتی ہے (۱:۱)۔ یہ صفت قرآن مجید میں سب سے زیادہ بار دوہرائی گئی ہے۔ بطور اختصار "رب" کا ترجمہ عام طور پر "مالک" کے کیا جاتا ہے۔ اس کے معنی ہیں وہ ذات جو تدریجاً ایک چیز کو اپنے کمال تک پہنچاتی ہے۔ اس طرح ہر چیز جو پیدا کی جاتی ہے خدا کی صفت ربوبیت کا مظہر ہے۔ یعنی نچلے درجے سے اعلیٰ درجے کی طرف ترقی کرتے کرتے وہ اپنے کمال تک پہنچتی ہے۔ نظریہ ارتقاء جو دوسرے مذاہب میں ٹھوکر کا موجب ہوا ہے اسلام میں خدا پر ایمان کی بنیاد بن جاتا ہے اور تخلیق کے عمل میں خدا کے مقصد اور حکمت کے لئے دلائل مہیا کرتا ہے۔ کائنات میں ایک ہی قانون کا کارفرما ہونا حالانکہ بظاہر کتنا اختلاف نظر آتا ہے (۶۷:۳،۴)۔ لیکن اس کے باوجود ایک چھوٹے پتے سے لے کر ایک عظیم ترین کرے تک میں قدرت کے نظام کا قیام اور اس میں مکمل ربط اور ضبط کی موجودگی اور اسی طرح کے دوسرے دلائل اور شواہد قرآن کریم کے صفحات پر درج ملیں گے۔

(۲) خدا کی ہستی کے بارے میں دوسری قسم کے دلائل وہ ہیں جو انسانی روح سے متعلق ہیں۔ جس کے اندر خدا کے وجود کا شعور جاگزین ہے اور جس کا ذکر قرآن مجید مختلف پیرائے میں کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں انسانی فطرت کو بار بار اپیل کی گئی ہے۔ کیا وہ بے مقصد پیدا کئے گئے ہیں؟ کیا یہ بغیر کسی کے (پیدا کرنے والے کے) پیدا ہو گئے ہیں؟ کیا انہوں نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ (۳۶،۳۵:۵۲) کیا میں تمہارا رب نہیں؟ (۷:۱۷۲)۔ خدا کی ہستی کا شعور انسانی فطرت کا لازمی جزو قرار دیا گیا ہے۔ بعض اوقات خدا کی ہستی کے موجود ہونے کا یہ شعور انسانی روح اور خدا سے قریب ترین تعلق کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ "ہم انسان سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں لیکن تم نہیں جانتے (۸۸:۵۶)۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ انسانی روح میں خدا کی ہستی کے وجود کا شعور اس کے خود اپنے وجود کے شعور سے زیادہ واضح ہے۔ مختلف لوگوں میں شعور مختلف نوعیت کا ہوتا ہے۔ اور اس کا انحصار اس اندرونی روشنی پر ہوتا ہے کہ وہ کس حد تک مدھم یا روشن ہے۔

اس دلیل کو مزید مضبوط اس طرح کیا گیا ہے کہ خدا کی ہستی کی موجودگی کے شعور سے بڑھ کر بھی ایک چیز ہے کہ خدا نے انسان میں اپنی روح پھونکی ہے (۲۹:۱۵) اور یہی وجہ ہے کہ انسانی روح خدا کی تلاش میں بے چین رہتی ہے۔ یہ اس کی فطرت میں ہے کہ خدا کی عبادت کرے اور اس سے مدد مانگے (۱:۴) یعنی ایک رنگ میں ہر آدمی حتیٰ کہ وہ بھی جو خدا کو نہیں مانتا تکلیف اور مصیبت میں ضرور خدا کو پکار اٹھتا ہے۔ اور انسان کی فطری قوت اس کو ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہے (۱۰:۱۲،۲۱–۳۹:۸) انسان میں خدا پر ایمان اس صورت میں جاگزین ہے کہ وہ اس کو تاریکیوں اور مشکلات میں اس کی راہنمائی کرتا ہے (۱۰:۹) یہ خدا کی محبت ہی ہے جس کی وجہ سے ایک انسان دوسرے کی بے لوث خدمت کرتا ہے (۲:۱۷۷–۷۶:۸) اور ناکامیوں میں خدا پر بھروسہ ہمیشہ اس کو ہمت اور قوت عطا کرتا ہے (۱۴:۱۲)

(۳) خدا کی ہستی کا سب سے زیادہ یقینی اور واضح ثبوت انسان کا اعلیٰ روحانی تجربہ ہے۔ جس میں خدا اپنے آپ کو انسان پر ظاہر کرتا ہے۔ کائنات میں حکمت اور مقصدیت کی کارفرمائی یہ ظاہر کرتے ہیں کہ خدا ضرور ہونا چاہئے لیکن یہ بات اس کو یقین کے درجہ تک نہیں پہنچاتی کہ خدا ہے۔ انسان کی یہ اندرونی شہادت بھی ناکافی ہے کہ وہ خدا کی ہستی کے متعلق یقین

کو پیدا کر سکے اور انسان کو خدا سے ملا سکے۔ یہ صرف خدا کی وحی ہے جو خدا کی صفات پر بھرپور روشنی ڈالتی ہے اور انسان کو ایسے راستے پر چلاتی ہے جس پر چل کر وہ خدا کی موجودگی کی حقیقت کو اپنی زندگی میں محسوس کرتا ہے۔ اور اس کو خدا سے ہمکلام ہونے کے قابل بناتا ہے۔ خدا کی ہستی کی موجودگی کا یہ شعور ہی انسانی زندگی میں تبدیلی پیدا کرتا ہے۔ جو اس میں ایسی ناقابل تسخیر قوت پیدا کر دیتا ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کی زندگیوں میں بھی تبدیلی پیدا کر سکتا ہے۔ خدا کا اپنے آپ کو انسان پر ظاہر کرنا اسلام کی رو سے انسانیت کا عالمی تجربہ ہے۔ جو تمام قوموں تمام ملکوں اور تمام زبانوں کے لوگوں کو حاصل ہوا۔ انسان کا یہ عالمی روحانی تجربہ ہی ایک عظیم طاقت ثابت ہوا۔ جس نے انسانیت کو ذلت کی انتہائی پستیوں سے اٹھا کر اخلاق کی انتہائی بلندیوں پر پہنچایا بلکہ ان کو مادی ترقیات بھی عطا کیں۔

خدا تعالیٰ کی ذات تمام قیود سے پاک اور بالاتر ہے اور اسے کسی ایسی چیز سے مثال نہیں دی جا سکتی جو انسان کے علم میں ہو (۴۲:۱۱) خدا سب کو احاطہ کئے ہوئے ہے لیکن انسان کی نظر خدا کا احاطہ نہیں کر سکتی (۶:۱۰۴) وہ واحد ہے۔ خدا کی ذات میں دوئی یا تثلیث یا ایک سے زیادہ خداؤں کا تصور ناقابل قیاس ہے (۲:۱۶۳۔ ۱۶:۵۷۔ ۴:۱۷۱) اور نہ ہی وہ کسی سے باپ بیٹے کا رشتہ رکھتا ہے (۱۱۲:۳۔ ۱۹:۹۰,۹۳) تابعداری اور بندگی صرف اسی کے لئے سزاوار ہے (۱۶:۴۸,۴۹) صرف اسی کی عبادت کرنی چاہئے (۱:۴۔ ۷۲:۲۰) مذہبی لیڈروں اور ولیوں کی اندھی تقلید جو ان کی پرستش کے برابر ہو قابل مذمت ہے (۹:۳۱) خدا سب کا خالق ہے (۱۳:۱۶) وہ تمام جہانوں کا رب ہے (۱:۱) وہ اسباب پر قدرت رکھنے والا ہے (۴:۸۵) وہ رحمٰن اور رحیم ہے (۱۱:۹۰) اس کی رحمت تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے (۴۰:۷) جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے ان کو بھی اس کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے (۱۲:۸۳۔ ۳۹:۵۳) وہ علیم و خبیر ہے وہ سب کچھ جانتا ہے (۲۰:۷) وہ قادر مطلق ہے (۱۶:۴۸,۵۰) اور ہر جگہ موجود ہے (۵۸:۷) اور وہ اس سے اس کی شہ رگ سے بھی قریب تر ہے (۵۶:۸۵۔ ۵۰:۸۵)۔

خدا نے انسان کو اعلیٰ صلاحیتیں دے کر پیدا کیا ہے۔ اور اس کو زمین میں حکمران (خلیفہ) بنایا ہے (۲:۳۰۔ ۹۵:۴) ہر چیز کو انسان کا خادم بنایا گیا ہے وہ فطرت کی قوتوں کو مسخر کر سکتا ہے (۱۴:۳۲,۳۴)۔ ہر شخص معصوم پیدا ہوتا ہے۔ کوئی بھی گناہگار پیدا نہیں ہوتا۔ یہ اپنے بد اعمال سے اپنے آپ کو ذلیل کرتا ہے (۳۰:۳۰۔ ۹۵:۵) ہر کوئی پیدائشی طور پر مسلم ہوتا ہے خواہ یہودی یا عیسائی والدین کے ہاں پیدا ہو (۳۰:۳۰۔ بخاری ۲۳:۹۲,۷۹) تمام وہ جو شعور (بلوغت) سے پہلے مرجاتے ہیں جنتی ہیں خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم (بخاری ۹۱:۴۸)

اسلام یا خدا کے احکامات کی تابعداری ہی حقیقت میں فطرت کا مذہب ہے (۳:۸۲) یہ انسان کی فطرت کا مذہب ہے (۳۰:۳۰)

تمام مذاہب کی بنیاد وحی الٰہی پر ایمان ہے۔ انسان خدا کو مانتا ہے اور پہچانتا ہے۔ خدا کی روح کا انسان کی روح سے تعلق بذریعہ وحی قائم ہوتا ہے۔ انسان کائنات کی حد بسط کے اندر ہر قسم کی دریافت اور انکشافات کر سکتا ہے لیکن خدا کی بے پایاں ذات صرف وحی کے ذریعہ اپنے آپ کو بندوں پر ظاہر کرتی ہے۔ جس کی ذات محدود ہے۔ پس ہر زمانے اور ہر ملک میں خدا انسان پر اپنے آپ کو اپنے منتخب بندوں کے ذریعہ ظاہر کرتا ہے (۱۰:۴۷۔ ۳۵:۲۴) انسان پر وحی تین طریق سے ہوتی ہے۔ سب سے اعلیٰ وحی کی شکل وہ ہے جو روح القدس (حضرت جبرائیل) کے ذریعہ ہوتی ہے جو انبیاء کے لئے مخصوص ہے۔ اس سے ادنیٰ درجے کی وحی کسی خیال کا ذہن میں آنا ہے یا خواب یا نظارہ (کشف) یا الہام کی صورت میں ہوتی ہے اور وحی دوسروں کو بھی ہوتی ہے خواہ مرد ہوں یا عورتیں۔ صرف فانی بشر پر خدا وحی نازل فرماتا ہے اور ان کو بطور مصلح بھیجتا ہے۔ کیونکہ فانی بشر ہی انسانوں کے لئے نمونہ کا کام دے سکتے ہیں۔ (۱۷:۹۵۔ ۲۱:۸,۷) تمام لوگ ایک امت ہیں (۲:۲۱۳۔ ۱۰:۱۹۔ ۲۳:۵۲) ان کی تقسیم خاندانوں اور قبائل میں (۴۹:۱۳) ان میں زبانوں اور رنگوں کا اختلاف ہے (۳۰:۲۲) اس کا اعلیٰ اور ادنیٰ ہونے سے کوئی تعلق نہیں۔ سب سے اعلیٰ وہ لوگ ہیں جو دوسروں سے متعلق اپنے فرائض پوری طرح ادا کرتے ہیں (۴۸:۱۳) خدا سب قوموں کا رب ہے (۱:۱) وہ سب کو دیتا ہے جس کی ان کو جسمانی طور پر ضرورت ہوتی ہے بلکہ جو کچھ ان کی روحانی ترقی کے لئے درکار ہوتا ہے وہ بھی مہیا کرتا ہے۔

وہی ہے جس نے تمام اقوام میں ڈرانے والے یا نبی بھیجے۔ دنیا میں کوئی ایک بھی ایسی قوم نہیں جس میں ڈرانے والا نہ بھیجا گیا ہو (۳۵:۲۴) ہر قوم میں ایک پیغمبر بھیجا گیا (۱۰:۴۷) ہر قوم کا ایک رہنما تھا (۱۳:۷) ہم نے ہر قوم میں ایک پیغمبر بھیجا (۱۶:۳۶)۔

تم میں ہر ایک کے لئے شریعت اور طریق مقرر کیا گیا ہے (۵:۴۸) قرآن مجید ان پیغمبروں کا ذکر کرتا ہے جن کا ذکر بھی بائبل میں نہیں (۷:۶۵,۷۳) اس میں ایتھوپیا کے ایک پیغمبر کا ذکر ہے (۳۱:۱۳) اور ایک دوسرا پیغمبر دو دریاؤں کے سنگم پر واقع علاقہ میں مبعوث ہوا (۱۸:۶۰۔) قرآن مجید ان نبیوں کا بھی عمومی ذکر کرتا ہے جن کا ذکر اس میں موجود نہیں

(۸:۴۰-۷-۴:۱۶۴) مسلمان وہ ہے جو تمام قوموں کے نبیوں پر ایمان لائے اور اس پر بھی جو ہماری طرف سے اتارا گیا (۲:۱۳۶) ہم خدا کے پیغمبروں میں کچھ تفرقہ نہیں کرتے (۲:۲۸۵)۔

تمام قوموں کی طرف پیغمبروں کا بھیجنا ابتدائی بات تھی۔ وحی کے عالمگیر تصور نے تمام دنیا کے لئے ایک پیغمبر کی صورت میں تکمیل پائی۔ تمام قوموں کی طرف ایک پیغمبر کی بعثت:۔ "اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں" (۷:۱۵۸) "تمام قوموں کو ڈرانے والا ہوں (۲۵:۱) ہم نے آپ ﷺ کو تمام قوموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے (۲۱:۱۰۷) وہ جہانوں کے لئے شرف ہے (۶۵:۵۲) عالمی نبی نے قومی نبیوں کی جگہ لے لی۔ اور تمام نسل انسانی کو متحد کرنے کا عظیم خیال موجودہ وحی کا عظیم مقصد ہے۔ وحی کا انسانی پہلو صرف انسانیت کی بے لوث خدمت ہی نہ تھا۔ خدا کی محبت کے لئے اپنے قریبیوں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سوالیوں کو اور غلاموں کو آزاد کرانے میں مال خرچ کرو (۲:۱۷۷) بلکہ اس کا مقصد انسانیت کو ایک کرنا تھا۔ جو کسی اور ذریعہ سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

اسلام کا مقصد انسان کو ترقی دے کر ان بلندیوں تک لے جانا ہے جن تک اس کی ترقی ممکن ہو سکتی ہے۔ اور اس وجہ سے اس کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ مکمل دین ہے "آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا" (۵:۳) وہ مذہب کی تمام ضروریات پر پوری روشنی ڈالتا ہے: خدا کی ہستی کی موجودگی اور اس کی صفات پر، خدا کی وحی کی نوعیت پر، زندگی بعد الموت پر، نیک اور بد اعمال کی جزاء پر۔ پس اس کا دعویٰ ہے کہ یہ آخری مذہب ہے۔ لیکن نبوت کے اختتام کو وحی کے ختم ہونے سے غلط ملط نہیں کرنا چاہئے۔ غیر انبیاء کی طرف وحی کا آنا ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ وحی کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھلا ہوا ہے۔ اگرچہ نبوت کی تکمیل کی وجہ سے نبی آنا بند ہو چکے ہیں۔ قرآن کریم اس کو بشری (خوش خبری) کا نام دیتا ہے (۱۰:۶۳,۶۴) حدیث میں اس کا ذکر مبشرات کے نام سے آتا ہے (سچی خوابیں) (بخاری ۹۱:۵) ایک حدیث میں اس کو نبوت کا جزو قرار دیا گیا ہے (بخاری ۹۱:۴) ایک دوسری حدیث میں وحی کے جاری رہنے کا ذکر صاف الفاظ میں موجود ہے "تم سے پہلے لوگوں میں ایسے لوگ تھے جن سے خدا ہمکلام ہوتا تھا اگرچہ وہ نبی نہیں تھے۔ اگر میری قوم میں کوئی ایسا شخص ہے تو وہ عمرؓ ہیں" (بخاری ۶۲:۶)۔ ایسا شخص جس سے خدا ہمکلام ہوتا ہے اسلام کی اصلاح میں محدث کہلاتا ہے۔ مجدد ایک مصلح ہوتا ہے جس کو خدا غلطیوں کی اصلاح اور عظیم مذہبی صداقتوں پر نئی روشنی ڈالنے کے لئے مبعوث کرتا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ مسلمانوں میں ایسا شخص ہر صدی کے سر پر ظاہر ہو گا (ابو داؤد ۳۶:۱)۔

مذہب سخت اور مشکل فرائض پر ہی مشتمل نہیں بلکہ یہ ایک اچھی زندگی گزارنے کا نام ہے جس میں دوسروں کے حقوق کا پورا پورا خیال کیا جاتا ہے۔ (بخاری ۲:۲۹-۳۰:۵۱) نیک اعمال ایک نیک دل سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے ایمان کی ضرورت پڑتی ہے۔ جو دل پر حکمرانی کرتا ہے۔ (بخاری ۲:۳۸) ایسا شخص جس میں خدا پر ایمان ہے وہ ایک گزرتے ہوئے مسافر سے بھی نیکی کرنے کے موقعے کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ راستے کو نقصان دہ چیزوں سے صاف رکھنا ایمان کا حصہ ہے (مشکوۃ ۱:۵۸) ایسے شخص کا کوئی ایمان نہیں جو اپنے بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہیں کرتا جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے (بخاری ۲:۶) ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کے ساتھ بالکل امن میں رہے اور اپنے اور کسی اور کو کوئی نقصان نہ پہنچائے نہ اپنی زبان سے اور نہ اپنے ہاتھ سے (بخاری ۲:۳) کسی کو اپنی زبان سے تکلیف دینا کفر کے ذیل میں آتا ہے (بخاری ۲:۲۱)۔

تبصرہ: قادیانی مسئلہ اور لاہور جماعت کی حیثیت — ۱۳

بشارت احمد بقا

دیباچہ

ڈاکٹر محمود احمد غازی جو کتاب ”قادیانی پرابلم اینڈ پوزیشن آف لاہوری گروپ“ کے مصنف ہیں کا تعلق ان علماء سے ہے جو تحریک احمدیہ اور اس کے بانی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف سخت بغض عناد اور دشمنی رکھتے ہیں اور اس مقدس انسان کی مخالفت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جب دلوں میں بغض و عناد اور نفرت ہو تو آنکھ کو ہر اچھی بات بھی بری دکھائی دیتی ہے۔ ایسے افراد نہ محقق ہوتے ہیں نہ مفکر اور نہ اہل حق بلکہ ان کا تعلق حق کے دشمنوں سے ہوتا ہے۔ ڈاکٹر غازی نے اپنی کتاب میں خود ساختہ کہانیوں سے اور طرح طرح کے جھوٹے اور بے بنیاد الزامات سے اس خدا کے برگزیدہ اور اس کی قائم کردہ تحریک کو بدنام کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے۔ ان صاحب کو اپنے روایتی علم دین پر بڑا ناز ہے اور یہ اسلام کے سیاسی پہلو کے بڑے شیدائی دکھائی دیتے ہیں اور اسلام کے روحانی اور اخلاقی پہلو سے کوئی خاص دلچسپی نہیں رکھتے۔ کیپ ٹاؤن' جنوبی افریقہ کی عدالت عظمیٰ کے فیصلہ کے مطالعہ سے پتہ چلا کہ ڈاکٹر صاحب نے صرف سولہ سال کی عمر میں اسلامیات اور اسلامی قوانین میں ایم اے کے برابر کوئی ڈگری حاصل کرلی تھی اور سترہ سال کی عمر میں لیکچر دینے شروع کر دیئے تھے۔ ان کی یہ قابلیت اگر واقعی ایسی ہو تو بڑی محیر العقول ہے مگر علوم جدیدہ اور علوم دین میں ماہر ہونے کے باوجود اس عدالت نے ان کے دلائل کو اکثر و بیشتر غیر معقول اور استخراج کو بڑا غیر منصفانہ پایا اور صاف لکھا کہ ڈاکٹر غازی پرکھ کے لئے دو معیار رکھتا ہے۔ ایک معیار اپنے اولیاء اور صوفیا کی پرکھ کے لئے اور دوسرا صرف حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کی پرکھ کے لئے۔ یہی وجہ ہے کہ جو بات اولیاء اللہ کے بارے میں اسے صفت حسنہ دکھائی دیتی ہے وہی بات مرزا صاحب میں اسے ایک ناقابل معافی جرم دکھائی دیتی ہے۔ جب صورت حال یہ ہو تو ایسے شخص سے کسی انصاف کی توقع رکھنا ایسے ہی محال ہے جیسے فرہاد کا پہاڑ سے جوئے شیر کالانا۔

ڈاکٹر صاحب جنوبی افریقہ پہلی بار بطور ممبر وفد ۱۹۸۴-۸۵ء میں تشریف لے گئے تھے کیونکہ کیپ ٹاؤن میں ایک لاہوری احمدی کا وہاں کی مسلم جوڈیشل کونسل سے ایک تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اس کونسل نے حکومت پاکستان سے درخواست کی تھی کہ مقدمہ میں امداد کے لئے علماء اور قانون دانوں پر مشتمل ایک وفد ارسال کیا جائے۔ جنرل ضیاء الحق مرحوم کا زمانہ اقتدار تھا جو احمدیوں کے سخت دشمن تھے۔ جنرل صاحب نے فی الفور چھ افراد پر مشتمل ایک وفد روانہ کر دیا۔ اس وفد نے غور و خوض کے بعد عدالت میں یہ نکتہ اٹھایا کہ زیر بحث معاملہ خالص دینی حیثیت کا ہے اور چونکہ یہ عدالت عظمیٰ غیر مذہبی اور غیر اسلامی ہے اس لئے اس عدالت کو یہ مقدمہ سماعت کرنے کا استحقاق نہیں۔ اس کی سماعت کا حق صرف ایک دینی عدالت کو پہنچتا ہے۔ جس کے جج صاحبان مسلمان ہوں۔ عدالت نے ان کے اس موقف کو مسترد کر دیا اور یہ دلیل دی کہ جنوبی افریقہ کی تمام عدالتوں کو وہاں کے شہریوں کے جملہ تنازعات کی سماعت کا حق پہنچتا ہے اور یہ عدالتیں پہلے بھی ایسے مقدمات سنتی رہی ہیں اور اپنے فیصلے صادر کرتی رہی ہیں اور اس مقدمہ سے قبل کسی فریق نے ان عدالتوں کے اختیارات کو بھی چیلنج نہیں کیا۔ مگر پاکستانی وفد اور کیپ ٹاؤن کی مسلم جوڈیشل کونسل نے اپنے موقف کو عین اسلامی اور اصولی قرار دیتے ہوئے عدالت عظمیٰ کی کارروائی کا بائیکاٹ کر دیا۔ جب ۱۹۸۴ء میں عدالت نے مدعی اور مدعا علیہم کو باقاعدہ نوٹس جاری کئے تھے اور باقاعدہ سماعت کے لئے ۸ نومبر ۱۹۸۵ء تاریخ مقرر کر دی تھی تو اگر مسلم جوڈیشل کونسل اسی وقت اس نکتہ اعتراض کی بنا پر عدالت کو مطلع کر دیتی کہ وہ عدالتی کارروائی میں بطور مدعا علیہم پیش نہیں ہو گی تو عین ممکن تھا کہ عدالت مقدمہ کی سماعت روک لیتی لیکن چونکہ مدعا علیہم نے دانستہ طور پر مقررہ تاریخ تک خاموشی اختیار کر رکھی تھی اور اپنا موقف اس دن پیش کیا تھا۔ اس لئے عدالت نے باوجود ان کے بائیکاٹ کے یکطرفہ طور پر مقدمہ کی سماعت جاری رکھی اور مدعی کے گواہ حافظ شیر محمد

صاحب مرحوم جو جماعت احمدیہ لاہور کے نامور مشنری تھے کے بیانات پوری تفصیل کے ساتھ سماعت کئے اور پوری تحقیق اور تدقیق کے بعد لاہوری احمدی مسٹر اسمٰعیل پیک کے حق میں فیصلہ سنادیا جو مندرجہ ذیل تھا:

(1) As against all three defendants: Second plaintiff is declared to be a Muslim and as such to be entitled to all rights and privileges as pertain to Muslims.

(2) As against first defendant: first defendant is interdicted from disseminating, publishing or otherwise propagating false, harmful, malicious and defamatory matter of and concerning members of the Ahmadiyya Anjuman Isha'at Islam Lahore (South Africa), including Second Plaintiff, is wit, that such members are non-Muslims, disbelievers, Kafir, apostates, *murtads*, that they reject the finality of the Prophethood of Muhammad, that they are non-believers and as such are to be denied admittance to mosques and to Muslim burial grounds and that marriage with an Ahmadi is prohibited by Muslim Law.

(3) As against the Second Defendant: Second plaintiff is declared to be entitled to admittance to Malay Mosque situated at the corner of Long and Droop Street, Cape Town, held under Deed of Transfer dated 11th February 1881, and to all rights and privileges therein pertaining to Muslims generally.

(4) As regards the third Defendant: Second Plaintiff is declared to be entitled to the same rights of burial in the Malay portion of the Vygerraal cemetery, held under Deed of Transfer No. 3, dated 18th December 1908, as pertaining to all Muslims.

(5) As against all three Defendants: Costs of suit on the attorney and Client. Seal. (*Law Journal of Pakistan.*)

ترجمہ: (۱) "تینوں مدعا علیہم کے خلاف مدعی نمبر ۲ مسلمان ہے اور اس لئے ان جملہ حقوق و مراعات کا حق رکھتا ہے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں۔

(۲) مدعا علیہ نمبر ۱ کے خلاف: مدعا علیہ نمبر ۱ کو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور (جنوبی افریقہ) کے اراکین بشمول مدعی نمبر ۲ کے خلاف جھوٹا' نقصان دہ' اذیت رساں اور توہین آمیز مواد کے پھیلانے' شائع کرنے اور کسی اور طریق سے تشہیر کرنے سے روکا جاتا ہے یعنی یہ کہ یہ ممبران غیر مسلم' غیر مومن' کافر مرتد ہیں۔ اور اس لئے انہیں مسجدوں اور مسلم قبرستانوں میں داخلہ نہیں دینا چاہئے اور کہ احمدیوں سے رشتے ناطے مسلم شریعت میں منع ہیں۔

(۳) مدعا علیہ نمبر ۲ کے خلاف: مدعی نمبر ۲ کو کیپ ٹاؤن میں لانگ اور ڈروپ سٹریٹس کے کونے پر واقع ملائی مسجد میں جو انتقال کی دستاویز مورخہ ۱۱ فروری ۱۸۸۱ء کے ماتحت قائم ہوئی آنے جانے کا حق حاصل ہے اور ان تمام حقوق اور مراعات کا بھی جو عام مسلمانوں کے متعلق اس میں درج ہیں۔

(۴) مدعا علیہ نمبر ۳ کے خلاف: انتقال نامہ نمبر ۳ مورخہ ۱۸ دسمبر ۱۹۰۸ء کے ماتحت قائم کردہ وائی گیکرال قبرستان کے ملائی حصہ میں مدعی نمبر ۲ کو تدفین کے لئے وہی حقوق حاصل ہیں جو تمام مسلمانوں کو ہیں۔

(۵) تینوں مدعا علیہم کے خلاف: وکیل اور موکل کے حساب سے مقدمہ کے اخراجات (لاء جرنل آف پاکستان جلد ۵' شمارہ ۳ مارچ ۱۹۸۶ء)"

کیپ ٹاؤن جنوبی افریقہ کی عدالت عظمیٰ کا یہ مکمل فیصلہ Law Journal of Pakistan میں شائع ہو گیا۔ جس پر حسب عادت مخالف و معاند علماء اور متعصب سکالرز نے شور و غوغا بلند کر دیا اور جنرل ضیاء الحق کے حکم پر لاء جرنل کا دوسرا ایڈیشن شائع کر دیا گیا جس میں اس فیصلہ کو حذف کر دیا گیا۔ مگر جو تیر کمان سے باہر نکل جائے وہ واپس نہیں آیا کرتا۔ اسی طرح لاء جرنل کا پہلا ایڈیشن پاکستان کے اندر سینکڑوں افراد کے ہاتھ میں جا چکا تھا اور وہ افراد فیصلہ کی تفصیلات پڑھ کر اصل حقیقت سے مطلع ہو چکے تھے۔ مگر علماء کے شور و غوغا نے یہ بات ثابت کر دی کہ اسلام جس فراخدلانہ رواداری کی تعلیم دیتا ہے اس کا شائبہ تک پاکستانی علماء میں نہیں پایا جاتا اور ان کا متشددانہ رویہ ہی پاکستان میں فرقہ وارانہ فسادات اور کشت و خون کا ذمہ دار ہے۔

اِس فیصلہ کے صادر ہوتے ہی پاکستانی وفد کے لیڈر مولانا ظفر احمد انصاری کے بیان کو روزنامہ جنگ' لندن اور لاہور ایڈیشن نے اِن الفاظ میں شائع کیا:

The former head of the Pakistan Constitution Commission and the leader of the Pakistani delegation which went to South Africa last year in pursuance of the Court Case between Qadianis and the Muslim Judicial Council, there Maulana Zafar Ahmad Ansari has said that no non-Muslim Court has the right to give a judgement as to whether a person is Muslim or not. He was commenting on the South African Supreme Court Judgement according to which Justice Williamson declared Qadianis to be Muslims. Maulana Ansari said that this judge is a Jew, and it was because of this being a Jew that the Muslim Judicial Council boycotted the court proceedings, and had said that no non-Muslim court had the right to decide on religious affairs of the Muslims. He said that by the unilateral verdict of this Jewish Judge, the Qadianis and the Ahmadis would not become Muslims.... He said that, in view of the special relations of the Qadianis with Israel and the Jews, what else could be expected from this Jewish Judge except that he would declare Qadianis to be Muslims." (*Jung*, London Edition, 2 Dec. 1985)

ترجمہ: "پاکستان آئین کمیشن کے سابق صدر اور پاکستانی وفد کے

سربراہ مولانا ظفر احمد انصاری گذشتہ سال قادیانیوں اور مسلم جوڈیشل کونسل کے مابین مقدمہ کے سلسلہ میں جنوبی افریقہ گئے' انہوں نے ایک بیان میں بتایا کہ کسی غیر مسلم عدالت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ یہ فیصلہ کرے کہ کوئی شخص مسلمان ہے یا نہیں۔ وہ جنوبی افریقہ کی سپریم کورٹ کے اس فیصلہ پر تبصرہ کر رہے تھے جس کے مطابق جج ولیم سن نے فیصلہ دیا کہ قادیانی مسلمان ہیں۔ مولانا انصاری نے کہا کہ جج ایک یہودی ہے اور اس کے یہودی ہونے کی وجہ سے مسلم جوڈیشل کونسل نے عدالت کی کارروائی کا بائیکاٹ کیا تھا اور یہ بھی کہا کہ کسی غیر مسلم عدالت کو مسلمانوں کے مذہبی معاملات کا فیصلہ کرنے کا کوئی حق نہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہودی جج کے یکطرفہ فیصلہ سے قادیانی اور احمدی مسلمان نہیں قرار دیئے جا سکتے۔ انہوں نے کہا کہ قادیانیوں کے اسرائیل کے ساتھ خصوصی تعلقات کے پیش نظر ایک یہودی جج سے اس کے علاوہ اور کیا امید کی جا سکتی تھی کہ وہ قادیانیوں کو مسلمان قرار دے گا (اخبار جنگ 'لندن ایڈیشن ۲ دسمبر ۱۹۸۵ء)"

سید ریاض الحسن گیلانی وفد کے دوسرے نامور رکن تھے اور پاکستان میں بڑے ماہر قانون دان مانے جاتے ہیں۔ انہوں نے اس فیصلہ پر بالفاظ ذیل تبصرہ فرمایا:

In October 1984, when the proper hearing of the case began, the Judge was changed and a biased Jew was appointed Judge. At that stage we said that there should first be a discussion on the scope of authority of the court, because this is a Muslim issue, and a secular or non-Muslim forum does not have the competence and authority to settle it. The Jewish judge did not accept this. At that stage we decided to boycott this Jewish Court. The Muslim Judicial Council of Cape Town, took the position that, as justice could not be expected from the Jewish judge, they would boycott. On 8 November (1985), the Jewish judge recorded the statement of a Qadiani named Sher Muhammad in which he said: "We do not deny the finality of Prophethood, we accept the Holy Prophet Muhammad as the last Prophet. As the evidence of the Qadiani witness was not challenged, nor was it given in the presence of Muslims, hence this judgement has no value." (*Jung*, London edition, 4 Dec. 1985 Lahore edition 1 Dec. 1985).

ترجمہ: "اکتوبر ۱۹۸۴ء میں جب مقدمہ کی باقاعدہ سماعت شروع ہوئی تو جج تبدیل کر دیا گیا اور ایک متعصب یہودی کو جج مقرر کیا گیا۔ اس مرحلہ پر ہم نے کہا کہ پہلے اس عدالت کے دائرہ اختیار کے بارے میں بحث ہونی چاہئے کیونکہ یہ مسئلہ مسلمانوں کے متعلق ہے اس لئے ایک غیر دینی یا غیر مسلم عدالت اس اہل نہیں یا اس کو اختیار نہیں کہ وہ اس بارے میں فیصلہ کرے۔ یہودی جج نے اس موقف کو تسلیم نہ کیا۔ اس مرحلہ پر ہم نے فیصلہ کیا کہ ہم عدالت کا بائیکاٹ کریں۔ کیپ ٹاؤن کی مسلم جوڈیشل کونسل نے یہ موقف اختیار کیا کہ چونکہ ایک یہودی جج سے انصاف کی توقع نہیں۔ اس لئے وہ اس کا بائیکاٹ کرتے ہیں۔ ۸ نومبر ۱۹۸۵ء کو یہودی جج نے ایک قادیانی شیر محمد کا بیان قلمبند کیا جس میں اس نے کہا "ہم ختم نبوت کا انکار نہیں کرتے اور آنحضرت محمد صلعم کو آخری نبی مانتے ہیں۔ کیونکہ قادیانی گواہ کے بیان پر کوئی جرح نہیں ہوئی اور نہ یہ بیان مسلمانوں کی موجودگی میں دیا گیا۔ اس لئے اس فیصلہ کی کوئی حقیقت نہیں"۔ (جنگ لندن ایڈیشن ۴ دسمبر ۱۹۸۵ء لاہور ایڈیشن یکم دسمبر ۱۹۸۵ء)

یہ بیانات ایک بہت بڑے عالم دین اور ایک بہت بڑے قانون دان کے ہیں۔ یہ بالکل سچ ہے جنوبی افریقہ کی عدالت عظمیٰ کا یہ فیصلہ پاکستان اور دوسرے ممالک کو قابل قبول نہیں۔ مگر جنوبی افریقہ کی مملکت میں بسنے والے تمام مسلمانوں کے لئے قانونی حیثیت ضرور رکھتا ہے اور وہاں تو احمدی مسلمان قرار دیئے جا چکے ہیں اور انہیں وہ تمام حقوق حاصل ہو گئے ہیں جو باقی مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ اگر جنوبی افریقہ کی مسلم جوڈیشل کونسل نے پیروی نہیں کی تو نہ کرے وہ اس فیصلہ کی تو پابند ہو چکی ہے اور پابندی توڑنے پر اس پر قانون کی سخت گرفت ہو سکتی ہے۔ پیروی نہ کرنے کا بھرپور فائدہ وہاں کے احمدی باشندوں کو پہنچ گیا ہے۔

پہلی بات جو مولانا ظفر احمد انصاری اور سید ریاض الحسن کے بیانوں میں قابل تردید ہے۔ وہ یہ ہے کہ مسٹر جسٹس ولیم سن ہرگز یہودی نہیں تھا۔ وہ پکا عیسائی ہے اور اس کا یہودیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ یہ بات اِن معزز اراکین وفد نے یا تو بلا تحقیق کہہ دی ہے یا عدالتی کارروائی کے بائیکاٹ کو جائز اور معقول قرار دینے کی خاطر دیدہ دانستہ خود اختراع کی ہے۔

دوسری وضاحت طلب بات یہ ہے کہ اس عدالت میں پیش ہونے والا گواہ جماعت احمدیہ لاہور کا معروف مبلغ تھا۔ اسے قادیانی اس لئے کہا گیا ہے تاکہ عوام کو یہ تاثر ملے کہ قادیانیوں کا یہودیوں سے گہرا گٹھ جوڑ ہے اور یہودی جج نے قادیانیوں کے حق میں ضرور فیصلہ دینا تھا۔ یہ دونوں باتیں ہی خلاف واقعہ ہیں اور خود ساختہ ہیں۔

تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ ایک اور مقدمہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اب کی بار مدعی اور مدعا علیہ دونوں ہی مسلمان تھے۔ مگر مدعی چونکہ عدالت عظمیٰ کے فیصلہ کو تسلیم کرتا تھا اور اس نے ایک احمدی کو اپنی مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دی تھی۔ اس لئے مسلم جوڈیشل کونسل اور اسلامک کونسل آف جنوبی افریقہ نے اس کے خلاف تادیبی کارروائی کر کے مسجد کی

ملازمت سے الگ کردیا۔ جس پر اس نے عدالت عظمیٰ میں اِن تنظیموں کے خلاف مقدمہ دائر کردیا۔ مقدمہ دائر ہوتے ہی مسلم جوڈیشل کونسل نے پھر حکومت پاکستان سے امداد کے لئے رجوع کیا۔ چنانچہ اب کی بار بجائے چھ ارکان کے ۱۹ ارکان پر مشتمل ایک وفد جنوبی افریقہ روانہ کیا گیا۔ اس وفد میں ڈاکٹر ایم اے غازی بھی شامل تھے۔ اب کی بار بھی کیپ ٹاؤن کی عدالت عظمیٰ سیکولر اور غیر مسلم تھی اور یہ صورت حال پاکستانی وفد کو بخوبی معلوم تھی۔ مگر عجیب بات ہے کہ یہ علم رکھتے ہوئے بھی اپنے سابقہ موقف کی صریحا" خلاف ورزی کرتے ہوئے بھاگم بھاگ جنوبی افریقہ جا پہنچا۔ چنانچہ مسلم جوڈیشل کونسل اور پاکستانی وفد کی اس قلابازی کا کیپ ٹاؤن کی عدالت عظمیٰ کی نئی چیف جسٹس نے بھی بدیں الفاظ اپنی Judgement میں ذکر کیا ہے:

"The shaky foundations on which some of these sweeping claims rest were laid bare by cross-examination. It was *ijma'* – the opinion of Muslims world wide, and he (Sheikh Nazim – defendant) travelled widely to consult – which obliged the Muslim Judicial Council to withdraw from the Peck Case; that persuaded to do so. That *ijma* has clearly either done a rapid *volte face* or is binding only when it suits the M.J.C. There is no logical reason why different considerations should have applied in the Peck Case to any applicable here or in the matter in which ICSA is seeking adjudication on the same issue from the secular court." (pp.101,102)

ترجمہ : "کچھ بلند بانگ بنیادی دعاوی جن کی بنیادیں کمزور تھی ان کا علم یہاں جرح کے دوران ہوا۔ ان میں سے ایک اجماع تھا' یعنی دنیا کے مسلمانوں کی رائے۔ شیخ ناظم مدعاعلیہ نے دور دراز کے سفر کئے تا کہ اس سلسلہ میں مشورہ لے سکے اور اسی بنا پر مسلم جوڈیشل کو مجبوراً پیک کے مقدمہ سے کنارہ کشی کرنی پڑی۔ اور اس کے نتیجہ میں انہیں ایسا کرنا پڑا۔ اسی اجماع کی وجہ سے یا تو (کونسل) نے یکدم پلٹا کھایا یا یہ کہ اس کا اطلاق اس وقت لازم ہوتا ہے جب مسلم جوڈیشل کونسل کو اس سے فائدہ ہو۔ کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی کہ پیک کے مقدمہ میں موجودہ مقدمہ کے مقابل میں مختلف توجیہات اختیار کی جائیں یا اسی طرح ICSA کے مقدمہ میں جہاں ایسے ہی مسئلہ کے بارے میں فیصلہ کے لئے سیکولر عدالت کی طرف رجوع کیا گیا۔" (ص ص ۱۰۱'۱۰۲)

اب یہ خدا تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ڈاکٹر ایم اے غازی اور پاکستانی وفد کے دوسرے ارکان اپنے اس دوغلے پن کا کیا جواز پیش کر سکتے ہیں اور جو اعتراض عدالت نے ان کے متضاد رویے پر کیا اس کا ان کے پاس کیا معقول جواب ہے۔

ڈاکٹر غازی صاحب مکالمہ مخاطبہ الہیہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر منقطع قرار دیتے ہیں اور جو شخص وحی والہام کا مدعی ہو ان کے نزدیک وہ دائرہ اسلام سے ہی خارج ہو جاتا ہے۔ موصوف نے یہ نظریہ محض حضرت مرزا صاحب کو مرتد ٹھہرانے کے لئے اختیار کیا ہے۔"

عدالت عظمیٰ نے اپنے فیصلہ میں لکھا ہے:

I accept that I cannot rely on facts not produced in admissible evidence to the court. I, however, also accept that no court is obliged to believe evidence simply because it is there, and the "science" of the interpretation must at least be based on some recognisable principles and not be a purely arbitrary exercise. Advocate de Villier's comment to Ghazi "You do seem to make up the rules as you go along" or words to that effect, was not without foundation. Ghazi has dual standards for apostasy and almost everything else, one for Mirza and one for others. As examples.

A. (i) The Qur'an says one should not steal, must pay Zakat. Being a thief or not paying Zakat makes one a sinful Muslim but does not prove that one disbelieves the Qur'anic injunction. The recidivist-thief or defaulter re Zakat is therefore not *Murtad*.
(ii) The Qur'an enjoins respect for all prophets. If one abuses a prophet that proves that one does not believe in the (validity of) the Qur'anic injunction or the statement that all prophets are sinless and truthful one i.e. Mirza is therefore *Murtad* and that regardless of the motive with which the words regarded to be offensive were uttered.

B. (i) Whether the *sufis* (mystics) claimed divine revelation or saintly revelation is a mere matter of history, since no sufi leader's followers deviate from the path indicated by the Holy Prophet.
(ii) What present-day Lahoris actually believe and whether it accords in toto with the Qur'an and Sunnah is irrelevant; it is the history that matters because Mirza himself is allegedly unacceptable to Modern Muslims.

C. (i) Anyone who claims to have received revelation from God claims prophethood and is therefore, if revelation is claimed after the time of the Holy Prophet, *Murtad*.
(ii) The example of the mother of Moses, Ghazi discounts. She is not regarded as a prophet. He says that she probably received some sort of brainwave and, on the norms he at times suggests are applicable, would make himself guilty of apostasy with this suggestion in the light of the clear words of the Qur'anic verse dealing with the revelation she was afforded. (pp.95,96)

ترجمہ : "میں یہ مانتا ہوں کہ میں ان حقائق پر بھروسہ نہیں کر سکتا

جو عدالت میں قابل قبول گواہی کے طور پر پیش نہ کی گئی ہوں۔ لیکن میں یہ بھی مانتا ہوں کہ کوئی عدالت اس گواہی کو ماننے کے لئے مجبور نہیں صرف اس وجہ سے کہ یہ عدالت میں پیش کی گئی اور علم توجیہہ کی بنیاد مسلمہ اصولوں پر ہونی چاہیئے نہ کہ محض من مانی کاروائی پر۔ وکیل ڈی ویلیر کا غازی کے متعلق یہ کہنا یا اس قسم کے الفاظ کہ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جوں جوں آپ آگے بڑھتے ہیں خود بخود قواعد بناتے چلے جاتے ہیں" بلاوجہ نہیں تھا۔ مرتد کے متعلق غازی صاحب کے دو معیار ہیں اور اسی طرح دوسرے معاملات میں بھی۔ ایک مرزا صاحب کے لئے اور دوسرا دوسروں کے لئے۔ مثال کے طور پر

(الف) ۱۔ قرآن کا حکم ہے کہ چوری نہیں کرنی چاہیئے' زکوٰۃ دینی چاہیئے۔ چور ہونا یا ڈاکہ ڈالنا ایک مسلمان کو گناہگار بناتا ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ قرآن کے احکامات سے انکار کرتا ہے اس لئے مجرم چور یا زکوٰۃ نہ دینے والا مرتد نہیں ہو سکتا۔

۲۔ قرآن مجید تمام انبیاء کے احترام کا حکم دیتا ہے۔ اگر کوئی کسی کو گالی دیتا ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ قرآن مجید کے اس حکم پر یقین سے ایمان نہیں رکھتا۔ یا یہ بیان کہ تمام انبیاء معصوم اور راست گو ہیں۔ اس لئے مرزا صاحب مرتد ہیں۔ قطع نظر اس بات کہ یہ الفاظ جو توہین آمیز سمجھے گئے ہیں کس نیت سے کہے گئے۔

(ب) ۱۔ کیا صوفیا کو خدا کی وحی کا دعویٰ تھا یا ان کو ولیوں والی الہام ہوتی تھی یہ تاریخ کا حصہ ہے کیونکہ کسی صوفی کے پیروکاروں نے رسول اکرم صلعم کے بتائے ہوئے راستہ سے انحراف نہیں کیا۔

۲۔ موجودہ لاہوری (احمدی) حقیقت میں کیا ایمان رکھتے ہیں اور کیا یہ مکمل طور پر قرآن مجید اور سنت سے مطابقت رکھتے ہیں اس وقت غیر متعلق ہے۔ اس کی تاریخی اہمیت ہے کیونکہ خود مرزا صاحب کو جدید مسلمان مبینہ طور پر نہیں قبول کرتے۔

۳۔ جو کوئی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس پر خدا سے وحی نازل ہوتی ہے نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور اس لئے اگر رسول اکرم صلعم کے بعد وحی کا دعویٰ کیا جائے تو وہ مرتد ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰ کی والدہ کی مثال کو غازی صاحب محض ایک کہانی کا درجہ دیتے ہیں۔ ان کو نبیہ نہیں سمجھتے۔ ان کا کہنا ہے کہ انہیں شاید ذہن میں کوئی خیال آیا تھا اور ایسی صورت میں اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے قرآن مجید کے (ام موسیٰ) کی وحی کے متعلق واضح الفاظ کی روشنی میں یہ خیال انہیں ارتداد کا مجرم قرار دے سکتا ہے۔"

بلاشبہ قرآن شریف تمام انبیاء کرام کے مکمل احترام کی تعلیم دیتا ہے اور کسی ایک نبی کی نبوت سے انکار دائرہ اسلام سے اخراج کا باعث ہے۔ حضرت مرزا صاحب تمام انبیاء پر نہ صرف ایمان رکھتے تھے بلکہ ہر ایک کی عزت کرتے تھے اور کسی نبی کی شان میں کبھی کوئی گستاخی نہیں کی۔ عیسائی مشنریوں نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کھل کر توہین کی۔ سخت گستاخی اور بے ادبی کی اور دشنام طرازی سے کام لیا۔ اپنے نبی پاکؐ کی غیرت کھا کر انجیلی مسیح کا وہ نقشہ دنیا کے سامنے پیش کیا جو خود انجیل نے بیان کیا تھا۔ اپنی طرف سے تو ایک حرف بھی نہیں لکھا تھا۔ انجیل عیسائیوں کی متبرک کتاب ہے اور وہ اس کے حرف حرف پر ایمان رکھتے ہیں۔ اگر ان کی بد زبانی اور دشنام دہی کے جواب میں خود ان کی اپنی مقدس کتاب سے انہیں ملزم ثابت کیا گیا تھا تو اس سے قرآن شریف کے بیان کردہ مسیح ابن مریم کی توہین کیسے لازم آگئی۔ عیسائیوں کے خلاف اس زمانہ کے علماء نے بھی یہی اسلوب اپنایا تھا۔ غازی صاحب نے ان علماء کو تو مورد الزام نہیں ٹھہرایا۔ مگر حضرت مرزا صاحب کو مرتد قرار دینے کے لئے ان کی ایسی تحریرات مسیح ابن مریم کی توہین کا باعث بن گئیں۔ اس لئے چیف جسٹس صاحب نے بالکل درست لکھا کہ مسٹر غازی کسی کو مرتد قرار دینے کے لئے دوہرا معیار رکھتا ہے۔ بلکہ ہر ایک امر میں اس کا دوہرا معیار ہے۔ ایک اپنوں کے لئے اور دوسرا مرزا صاحب کے لئے۔ حالانکہ قرآن شریف یہ صاف تعلیم دیتا ہے:

لا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی یعنی کسی قوم سے دشمنی تم کو انصاف سے نہ روکے' عدل کرو' کیونکہ عدل تقویٰ کے نزدیک ہے۔ غازی صاحب کو مرزا صاحب سے دشمنی نے اس قدر بے بصیرت کر دیا ہوا ہے کہ عالم دین اور عالم قرآن کا مدعی ہونے کے باوجود بھی خدا تعالیٰ کے اس واضح حکم سے سرتابی کا ارتکاب نہایت دیدہ دلیری سے کرتے ہیں۔ ایک صاحب انصاف ضرور تسلیم کرے گا کہ اگر عیسائیوں کو الزامی جوابات دینے سے حضرت مرزا صاحب مرتد قرار پاتے ہیں تو دوسرے علمائے اسلام بھی اپنے اسی نوعیت کے الزامی جوابات کے باعث مرتد قرار پانے کے کیوں سزاوار نہیں۔

کے باعث مرتد قرار پانے کے کیوں سزاوار نہیں۔

خدا کا شکر ہے کہ غازی صاحب گذشتہ صوفیاء اور اولیاء اللہ کے الہامات سے انکار نہیں کر سکے۔ بلکہ انہیں تاریخ کا حصہ قرار دیا ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ کہا ہے کہ ان کے پیروکار حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے رستہ سے سر مو انحراف نہیں کرتے۔ للذاوہ ہر الزام سے بری ہیں۔ مگر جب لاہوری احمدیوں کی بات ہوتی ہے تو یہ بات مسلم ہونے کے باوجود کہ ان کے جملہ عقائد قرآن وسنت کے عین مطابق ہیں غازی صاحب فوراً پینترا بدلتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان کے معاملہ میں عقائد کا ذکر بے محل ہے۔ قابل تسلیم بات یہ ہے کہ آج کا مسلمان مرزا صاحب کو قبول کرنے کو تیار نہیں۔ اس سلسلہ میں دریافت طلب یہ بات ہے کہ عام مسلمان جس کی تعداد بقول مولانا مودودی مرحوم ایک ہزار میں نوسو ننانوے ہے۔ وہ تو محض نام کا مسلمان ہے اس کی رائے کا وزن ہی کیا ہو سکتا ہے۔ دینی امور میں مغربی طرز کی جمہوریت کا کیا کام۔ حضرت مرزا صاحب کے خلاف عوام میں نفرت کا زہر پھیلانے والا تو علماء ظاہر کا گروہ ہے جس کے غازی صاحب بھی ایک نہایت سرگرم رکن ہیں۔ کیا یہ ایک مسلمہ حقیقت نہیں کہ علماء ربانی جن کی نسبت ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ علماءامتی کانبیاءبنی اسرائیل۔ یعنی میری امت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل کی مثل ہوں گے۔ کی تکذیب ان کی حین حیات میں کی گئی تھی۔ یعنی انہیں بھی مسلمانوں نے علماء ظاہر کے فتاویٰ کے پیش نظر ٹھکرادیا تھا۔ تو کیا جس ربانی انسان کو اس کے ہم عصر علماء ظاہر اور عوامی مسلمان مفتری اور کاذب قرار دے دیں وہ واقعی خدا کے نزدیک بھی ایسا ہی ہوتا ہے؟ غازی صاحب کو یہ مسلم ہے کہ جن علماء ربانی کی تکذیب ہوئی بعد کے زمانے میں انہیں عزت واحترام دیا گیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ کسی شخص کے صدق و کذب کی پرکھ اس بات سے نہیں ہوتی کہ عوام اسے قبول کرتے ہیں یا مسترد کرتے ہیں۔ بلکہ اسے علیٰ منہاج نبوت پر کھنا پڑتا ہے۔ جو دلائل ایک نبی کی صداقت کے لئے مختص ہیں انہی دلائل کی رو سے اولیاء اللہ اور خاص طور پر مجددین و محدثین کی صداقت معلوم کی جاتی ہے۔ اگر آج کا مسلمان مرزا صاحب کو قبول کرنے کو تیار نہیں تو نہ ہو۔ گذشتہ اکابر صلحاء و اولیاء اللہ کو عوام نے کہاں قبول کیا تھا۔ جب ہم حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمتہ کی زندگی کے حالات پڑھتے ہیں تو ہمارے سرمارے شرم کے جھک جاتے ہیں کہ وہ کیسے سفاک اور درندہ صفت مسلمان تھے جنہوں نے ان پر مظالم کے پہاڑ توڑے قید و بند کی اذیت ناک صعوبتوں کا شکار بنایا اور پھر بھی دل نہ بھرا اور آخر زہر دے کر ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ اس وقت کے ظالم حکمران شاہ اسمٰعیل نے بغداد میں ان کی قبر کو کھدوایا۔ ان کے استخوان کو باہر نکال کر نذر آتش کیا اور ان کی جگہ قبر میں ایک کتا دبا دیا اور اس مقام کو اہل بغداد کا پاخانہ بنایا گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ بعد میں وہی مظلوم' معتوب اور مبغوض انسان اسلامی علوم فقہ کا سرتاج تسلیم کیا گیا اور آج دنیائے اسلام میں جو قبولیت اس کو حاصل ہے وہ اپنی جگہ بے نظیر ہے۔ اسی طرح سے اگر آج حضرت مرزا صاحب میں علماء ظاہر اور تقلید پرست اور دولت دین سے تہی دست مسلمانوں کو سوائے برائی کے کچھ دکھائی نہیں دیتا اور انہیں کاذب ملحد دجال اور مرتد قرار دیتے نہیں تھکتے تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ زمانہ ضرور آئے گا کہ آنے والی نسلوں کو وہ درخشندہ آفتاب کی مانند دکھائی دینے لگے گا اور وہ نسلیں اپنے اسلاف پر نفرین بھیجیں گی۔

خدا تعالیٰ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنے برگزیدہ افراد سے سلسلہ کلام بند نہیں کیا۔ جس کلام پر تاقیامت مہر لگ چکی ہے وہ وحی نبوت ہے۔ امت محمدیہ کو خدا تعالیٰ نے بہترین امت قرار دیا ہے اور گذشتہ تمام امتوں کے جملہ فضائل و محاسن کا وارث بنایا ہے۔ مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ ایک بہت بڑی نعمت ہے جو پیروی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ حضرت مرزا صاحب نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "براہین احمدیہ" میں اپنے سینکڑوں الہامات شائع فرمائے اور ساتھ ہی اسی کتاب میں چودھویں صدی ہجری کے مجدد ہونے کا دعویٰ بھی لکھ دیا۔ اس کتاب کو ہندوستان کے طول و عرض میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس پر بعض علماء نے حضرت مرزا صاحب کو خراج تحسین پیش کیا اور کسی کو نے کھدرے سے یہ آواز بلند نہ ہوئی کہ بعد زمانہ نبوت وحی والہام کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ پھر اس شخص نے یہ الہامات کہاں سے پا کر شائع کر دیئے ہیں اور صریح کفر کا رستہ کیوں اختیار کیا ہے۔ علماء کا حضرت مرزا صاحب کے الہامات پر معترض نہ ہونا ثابت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک الہامات الٰہیہ کا دروازہ ہرگز بند نہیں ہوا۔ علماء کے رویہ میں تبدیلی محض اس وجہ سے آئی کہ حضرت مرزا صاحب نے مسیح ابن مریم کی وفات کی خبر دی اور خود مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ یہ اعلان مخالفت کا باعث بن گیا۔ کیونکہ صدیوں سے مسلمانوں کا عام عقیدہ یہ تھا کہ حضرت مسیح ابن مریم صلیب پر نہیں چڑھائے گئے تھے بلکہ ایک دوسرے شخص کو ان کا ہمشکل بنا دیا گیا۔ جسے یہودیوں نے صلیب پر چڑھا دیا اور خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بجسد عنصری اپنے پاس آسمان پر اٹھا لیا اور وہی فتنہ دجال کا قلع قمع کرنے کے

لئے امت محمدیہ میں دوبارہ نزول فرمائیں گے۔ اب حضرت مرزا صاحب کے اعلان اور علماء کے عقیدہ میں بعد المشرقین پایا گیا۔ یہاں سے مخاصمت کا آغاز ہوا جو روز بروز زور پکڑ تا گیا۔ حضرت مرزا صاحب نے وفات مسیح پر از روئے قرآن ذا حادیث دلائل پیش کئے۔ جن کے مقابلے میں علماء کے پاس حیات مسیح پر کوئی ایک بھی ٹھوس دلیل نہ تھی۔ آپ نے علماء کو مناظرہ کی دعوت دی۔ جو کسی نامی و گرامی عالم نے قبول نہ کی اور جو دو عالم ہمت کر کے سامنے آئے انہوں نے منہ کی کھائی۔ چونکہ بعض احادیث میں آنے والے مسیح کے لئے نبی اللہ کا لفظ بھی آیا ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے اس کی تشریح کی کہ اس سے محض لغوی، ظلی اور بروزی نبوت مراد ہے۔ نہ کہ اصلی نبوت جس پر بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم تاقیامت مہر لگ چکی ہے اور محدثیت میں شان نبوت اور رامتیت دونوں پائی جاتی ہیں۔ علماء نے فوراً ان پر مدعی نبوت ہونے کا الزام لگا دیا۔ حضرت مرزا صاحب نے بار بار دعویٰ نبوت سے انکار کیا۔ مگر علماء اپنے موقف پر مصر رہے اور عمر بھر اس الزام سے دستبردار نہ ہوئے اگر علماء ظاہر اور راسمی مسلمان حضرت مرزا صاحب کو قبول کرنے کو تیار نہیں تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ گذشتہ بزرگان دین سے بھی ایسا ہی سلوک روا رکھا گیا تھا۔ آج ان کو ہر کہ و مہ عزت و احترام سے یاد کرتا ہے اور ان کی قبروں پر چادر چڑھاتا اور عقیدت کے چراغ روشن کرتا ہے۔ مگر جب زندہ تھے تو انہی مسلمانوں کے اجداد کے ہاتھوں وہ ہر ظلم و ستم کا نشانہ بنے۔ کافر، ملحد، زندیق اور مرتد کہلائے اور طرح طرح کی المناک صعوبتیں اٹھائیں۔ غازی صاحب اسلام کے سیاسی پہلو کے بڑے شیدائی ہیں۔ مگر ہماری تاریخ کا سیاسی پہلو نہایت ہی المناک ہے۔ ناحق کشت و خون کے واقعات سے لبریز ہے۔ خاندان عباسی نے بنی امیہ کا خاتمہ کیا تو آخری خلیفہ کے خاندان کی لاشوں پر دستر خوان بچھا کر کھانا کھایا اور سفاکی کی وہ مثال قائم کی کہ جس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ یہ تو اسلام کا روحانی پہلو ہے جس نے دنیا کو اپنی طرف کھینچا۔ بزرگان دین نے کفرستانوں میں حق و ہدایت کے چراغ روشن کئے۔ بت پرستوں کو توحید کا پرستار بنایا اور کلمہ طیبہ پڑھا کر حلقہ بگوش اسلام کیا اور اپنے پاک نمونہ اور اپنی کرامتوں سے دنیا کو باور کرا دیا کہ اسلام ہی اب دین حق ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جنگ جمل اور جنگ صفین میں قریباً اسی ہزار مسلمان دونوں اطراف کے لقمہ اجل ہوئے تھے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جنگ بدر سے لے کر خلفاء ثلاثہ تک جس قدر غزوات، سرایہ اور جنگیں ہوئیں ان کے اندر مسلمانوں کی جانوں کا اس قدر اتلاف نہیں ہوا تھا جتنا جنگ جمل اور صفین میں ہوا۔ خدا جانے غازی صاحب سیاسی اقتدار کے کیوں اس قدر بھوکے ہیں۔

غازی صاحب نے حضرت ام موسیٰ کی طرف آنے والی وحی کو brainwave قرار دیا ہے۔ یہ اصطلاح ان کی وضع کردہ ہے۔ خدا تعالیٰ نے جو حضرت ام موسیٰ سے کلام کیا۔ قرآن شریف میں وہ یوں بیان ہوا ہے:

وَ لَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرٰىO وَ اِذْ اَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّكَ مَايُوحٰىO اَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّلِي وَعَدُوٌّ لَّهٗ وَ اَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ وَ لِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِي ترجمہ: "اور یقیناً ہمنے تجھ پر ایک بار احسان کیا۔ جب ہم نے تیری ماں کی طرف وحی کی جو (اب) وحی کی جاتی ہے کہ اسے صندوق میں ڈال دے۔ پھر اس (صندوق) کو دریا میں ڈال دے تو دریا اسے کنارے پر ڈال دے گا تاکہ میرا دشمن اور اس کا دشمن اسے لے لے اور میں نے تجھ پر اپنی طرف سے محبت ڈالی اور تاکہ میرے سامنے تیری تربیت کی جائے۔ (طٰہٰ ۲۰: ۳۷ تا ۳۹)

"And indeed We bestowed on thee a favour at another time, When We revealed to thy mother that which was revealed: Put him into a chest, then cast it into the river, the river will cast it upon the shore — there an enemy to Me and an enemy to him shall take him up. And I shed on thee love from Me; and that thou mayest be brought up before My eyes."

اِن آیات قرآنی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ام موسیٰ سے اسی طرح کلام کیا جیسے نبیوں سے کرتا ہے۔ یعنی وحی الٰہی غیر نبی کو بھی ایسی ہی یقینی ہو سکتی ہے جیسے کہ نبی کو۔ لیکن اس میں جو امور ظاہر کئے جاتے ہیں وہ اور رنگ کے ہوتے ہیں۔ اگر حضرت موسیٰ کی والدہ کو اس وحی کے منجانب اللہ ہونے کا یقین کامل نہ ہوتا تو وہ اپنے بچہ کو اس کی بنا پر دریا میں نہ ڈال سکتی تھیں۔ غازی صاحب نے اس واضح وحی کو brainwave کا نام دے کر ارتداد کی راہ اختیار کی ہے۔ کیونکہ نہ خدا تعالیٰ نے اور نہ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کو غیر نبی کے لئے دماغ میں کسی خیال کا آجانا قرار دیا ہے۔ حیرت ہے اتنی بڑی بیباکی کے باوجود غازی صاحب اسلام کے اندر ہی نہیں رہتے بلکہ دین کے اجارہ دار بھی بدستور رہتے ہیں۔ مگر حضرت مرزا صاحب قرآن شریف کی بعض آیات کی تفسیر میں عام علماء سے اختلاف کریں تو فوراً گردن زدنی کے قابل ہو جاتے اور دائرہ اسلام سے مرتد کی حیثیت سے خارج ہو جاتے ہیں۔ یہ رویہ اس شخص کا ہے جو اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ، اسلام آباد میں پروفیسر ہے۔

فیصل مسجد اسلام آباد کا خطیب اور امام ہے۔ فیڈرل شریعت کورٹ کا مشیر قانونی بھی ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے — چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

غازی صاحب کی انا کو کیپ ٹاؤن جنوبی افریقہ کی عدالت عظمیٰ میں شہادت کے دوران بار بار کچوکے لگے اور اپنی تضاد بیانی کے باعث بری طرح مات کھائی اور بڑی سراسیمگی کی حالت میں وطن واپس لوٹے تھے۔ اپنے آپ کو کچھ تسکین دینے اور زخموں پر مرہم لگانے کے لئے زیر نظر کتاب اسی فرسودہ مواد کا سہارا لے کر لکھ ڈالی ہے۔ جو مدت مدید سے مخالفین سلسلہ احمدیہ مشتہر کرتے چلے آرہے ہیں اور جس کا کافی وشافی جواب ہماری طرف سے کئی بار دیا جا چکا ہے اور اللہ تعالیٰ سے توفیق پا کر ہم نے غازی صاحب کی کتاب کے اس حصہ کا جس کا تعلق حضرت بانی سلسلہ اور جماعت احمدیہ لاہور سے ہے جواب دینے کی غرض سے یہ سلسلہ مضامین شائع کیا ہے۔

ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ غازی صاحب نے ایک عالم اور محقق کی حیثیت سے تحریک احمدیت کا مطالعہ نہیں کیا۔ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے "براہین احمدیہ" کی تصنیف کے زمانہ میں مجددیت کا دعویٰ کیا تھا اور ان کے اس دعویٰ پر کوئی عالم دین معترض نہ ہوا۔ نہ ہی آپ کے الہامات پر جو اس کتاب میں شائع کئے گئے۔ کسی نے نکتہ چینی کی۔ علماء کی مخالفت کی وجہ صرف آپ کا یہ دعویٰ ہوئی کہ مسیح ابن مریم فوت ہو گیا و جعلنك المسيح ابن مريم۔ یہ دعویٰ آپ نے خدا تعالیٰ سے علم پا کر ۱۸۹۰ء میں کیا۔ اب وہی مرزا غلام احمد قادیانی جو مجدد الوقت تسلیم کیا جا چکا تھا وہ علماء ظاہر کی نظر میں مقہور ہو گیا۔ مگر سوال یہ ہے کہ آپ نے دعویٰ مجددیت چودھویں صدی کے آغاز میں کیا تھا اور حدیث مجدد ان الله يبعث لهذه الامة على راس كل مائة من يجدد لها دينها کے تحت عین وقت پر کیا۔ اگر ۱۸۹۰ء میں دعویٰ مسیحیت کرنے سے آپ نے کفر کی راہ اختیار کر لی تھی تو آپ کے مقابلے میں کسی سچے مدعی مجددیت و محدثیت کو اٹھنا چاہئے تھا کیونکہ جب حدیث مجدد کی رو سے وہ کسی عظیم مصلح اور مامور کے ظہور کا وقت تھا تو اس کا فرض منصبی تھا کہ وہ اپنے دعویٰ کا کھلے عام اعلان کرتا اور دنیا کو بتاتا کہ مرزا غلام احمد قادیانی اپنے دعویٰ میں نعوذ باللہ جھوٹا ہے۔ خدا نے مجھے مامور کر کے بھیجا ہے اور یہ بھی اسی کا فرض تھا کہ وہ حضرت مرزا صاحب کو مباہلہ کا چیلنج دیتا۔ تاکہ صادق اور کاذب کا فیصلہ خدا تعالیٰ کی آسمانی عدالت سے صادر ہو جاتا اور دونوں میں سے جو جھوٹا ہوتا دنیا کے سامنے عبرتناک طریقہ سے ہلاک اور تباہ کیا جاتا۔ علماء کو تو قطعاً کوئی حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ اپنی سطح پر کوئی فیصلہ اور فتویٰ جاری کرتے۔

ہاں اگر وہ وقت کسی مجدد کے ظہور کا نہ ہوتا۔ اور حضرت مرزا صاحب نے جھوٹا دعویٰ کر دیا تھا تو پھر علماء فتویٰ جاری کرنے میں حق بجانب سمجھے جا سکتے تھے۔ مگر چونکہ حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ مجددیت پر وہ معترض نہ ہوئے تھے۔ بلکہ ان کے زہد و ورع، تقویٰ و طہارت، تعلق باللہ اور بے پایاں علم دین کے پہلے ہی بڑے معترف تھے اور انہیں فخر اہل اسلام اور حامی و ناصر دین جانتے تھے اور "براہین احمدیہ" کو یہ درجہ دے چکے تھے کہ "یہ کتاب اس زمانہ میں موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں شائع نہیں ہوئی" اور خود حضرت مرزا صاحب کے متعلق سرٹیفکیٹ جاری کر چکے تھے کہ "اس کا مولف بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر مسلمانوں میں بہت کم پائی جاتی ہے"۔ اس لئے ان پر واجب تھا کہ دعویٰ مسیحیت پر فی الفور برہم نہ ہوتے بلکہ غور و فکر اور تدبر سے کام لیتے۔ اپنے شکوک اور اعتراضات کے تسلی بخش جوابات کے لئے ان سے رجوع کرتے۔ مخالفت کرنے کا انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا تھا۔ اس تاریخی حقیقت سے کوئی صداقت شعار انسان انکار نہیں کر سکتا کہ چودھویں صدی ہجری میں ماسوا حضرت مرزا صاحب اور کسی شخص نے سارے عالم اسلام میں مجدد و محدث ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا اور نہ ہی آج بھی مخالف علماء ایسے مدعی کی نشاندہی کر سکتے ہیں۔ اگر ان کے نزدیک حضرت مرزا صاحب اپنے دعویٰ مجددیت و محدثیت میں صادق نہیں تھے اور نہ ہی وہ کسی دوسرے شخص کو پیش کر سکتے ہیں تو سوال اٹھتا ہے کہ آیا حدیث مجدد جو گذشتہ تیرہ صدیوں میں درست ثابت ہوئی چودھویں صدی میں آکر جھوٹی نکلی۔ اگر حدیث مجدد کا انکار کرو گے تو تمہیں گذشتہ تیرہ صدیوں کے مجددین و محدثین کو بھی کاذب اور مفتری قرار دینا پڑے گا۔ ہمت کرو اس عذاب کو مرزا صاحب کی مخالفت کے جوش میں اپنی گردنوں پر اٹھا لو۔

حضرت مرزا صاحب نے اپنی کتاب "فیصلہ آسمانی" کے ذریعے جملہ علماء اسلام اور تمام سجادہ نشینوں کو قرآن اور حدیث کے مطابق ایمان ثابت کرنے کا چیلنج دیا۔ اس چیلنج کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے ایک فتویٰ کفر تیار کیا اور ہندوستان کے طول و عرض سے بیشتر علماء کے اس پر دستخط کروا کر ۱۸۹۱ء میں بڑے طمطراق سے شائع کیا اور بزعم خود سمجھ لیا کہ یہ چراغ جو خدا تعالیٰ نے خود روشن کیا تھا ان علماء ظاہر کی پھونکوں سے بجھ جائے گا۔ مگر ان کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا کیونکہ وہ چراغ اور بھی زیادہ روشن اور تابناک ہو گیا۔ "فیصلہ آسمانی" دسمبر ۱۸۹۱ء میں شائع

ہوئی۔ جس میں اصل مخاطب شیخ الکل سید نذیر حسین دہلوی تھے۔ مگر باقی تمام مخالف علماء پر اتمام حجت کرنے کی خاطر ان کو بھی چیلنج میں شامل کر لیا گیا۔ آپ نے قرآن اور احادیث کی رو سے کامل مومن کی چار علامتیں بیان فرمائیں۔ جو حسب ذیل ہیں:

اول: یہ کہ مومن کامل کو خدائے تعالیٰ سے اکثر بشارتیں ملتی ہیں یعنی پیش از وقت خوش خبریاں جو اس کی مرادات یا اس کے دوستوں کے مطلوبات ہیں۔ اس کو بتلائی جاتی ہیں۔

دوم: یہ کہ مومن کامل پر ایسے امور غیبیہ کھلتے ہیں جو نہ صرف اس کی ذات یا اس کے واسطہ داروں سے متعلق ہوں بلکہ جو کچھ دنیا میں قضاو قدر نازل ہونے والی ہے یا بعض دنیا کے افراد مشہورہ پر کچھ تغیرات آنے والے ہیں ان سے برگزیدہ مومن کو اکثر اوقات خبر دی جاتی ہے۔

سوم: یہ کہ مومن کامل کی اکثر دعائیں قبول کی جاتی ہیں اور اکثر ان دعاؤں کی قبولیت کی پیش از وقت اطلاع دی جاتی ہے۔

چہارم: یہ کہ مومن کامل پر قرآن کریم کے دقائق و معارف جدیدہ و لطائف و خواص عجیبہ سب سے زیادہ کھولے جاتے ہیں۔

اِن چاروں علامتوں میں نسبتی طور پر مومن کامل دوسروں پر غالب رہتا ہے (فیصلہ آسمانی ص ۱۴ طبع ثانی)

اس زمانہ میں علماء مخالف کے تمام سرغنے کہلانے والوں، تمام مولویوں، سجادہ نشینوں، صوفیوں اور پیرزادوں کو چیلنج کیا کہ مومن کامل کی اِن بیان کردہ چار علامتوں میں مجھ سے مقابلہ کر لیں۔ رات دن شور مچا رکھا ہے کہ مرزا پہلے ایمان ثابت کرے پھر کوئی بات کرے تو آؤ میں اپنا ایمان ثابت کرتا ہوں اور اس طریق پر کرتا ہوں جو عین مطابق قرآن و حدیث ہے۔ لیکن اسی معیار پر تمہیں بھی اپنا ایمان ثابت کرنا ہو گا مگر اس چیلنج کو کسی نے قبول نہ کیا اور مومنوں کو کافر بنانے والے اور ایمان کی ڈینگیں مارنے والے مولویوں اور سجادہ نشینوں میں سے کوئی بھی سامنے نہ آیا۔

حضرت مرزا صاحب اپنے مخالف علماء کو قرآن و حدیث کی طرف بلاتے تھے۔ مگر علماء اس سے گریز کی راہ اختیار کئے ہوئے تھے اور آپ کو کافر، خارج از اسلام، دجال اور مفتری کہنا انہوں نے اپنا دن رات کا مشغلہ بنا رکھا اور مخالفت انتہا کو پہنچا دی۔ اس پر حضرت اقدس نے ایک اشتہار ۱۰ دسمبر ۱۸۹۲ء کو شائع کیا اور آپ کے خلاف فتویٰ تکفیر پر تمام دستخط کنندگان کو بالخصوص دعوت مباہلہ بطریق سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دی۔ مگر اس کو مباہلہ کہنا درست نہیں۔ کیونکہ فریقین نے جو بددعا کی تھی وہ یکطرفہ تھی۔

۲۷ مئی ۱۸۹۳ء مباہلہ کی مقررہ تاریخ تھی۔ اس روز امرتسر کی عیدگاہ میں صرف مولوی عبدالحق غزنوی آئے۔ باقی کسی مولوی کو ادھر قدم اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ مولوی عبدالحق غزنوی نے حضرت مرزا صاحب کے لئے اس قدر بددعائیں کیں اور سخت کلامی کے ساتھ بددعائیں کیں کہ دل کا سارا غبار نکال دیا۔ مگر اس نے اپنے حق میں یہ دعا نہ کی کہ اے خدا اگر میں مرزا صاحب کے خلاف بددعاؤں میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر وہی عذاب نازل فرما جس کی میں نے تیرے حضور مرزا کے لئے بددعا کی ہے۔ اس کے جواب میں حضرت مرزا صاحب نے بھی اپنے متعلق ہی یہ دعا کی کہ "اگر میں جھوٹا اور مفتری ہوں اور خدا تعالیٰ وہ لعنت اور عذاب میرے پر نازل کرے جو ابتدائے دنیا سے آج تک کسی کافر بے ایمان پر نہ کیا ہو"۔ یہ دعا آپ نے اپنے اشتہار مجریہ ۲۶ مئی ۱۸۹۳ء کے عین مطابق کی تھی اور فرمایا تھا کہ میں صرف اپنے متعلق اس قسم کی بددعا کروں گا۔ اِس بددعا کا نتیجہ کیا نکلا۔ خدا تعالیٰ نے عبدالحق غزنوی کی بددعا کو پذیرائی نہ بخشی اور جو بددعا حضرت مرزا صاحب نے خود اپنے حق میں کی وہ آپ کے صادق مامور من اللہ ہونے پر مہر صداقت ثبت کر گئی اور خدا تعالیٰ نے آپ کے مشن کو حیرت انگیز ترقی عطا فرمائی۔

مخالف علماء پر آخری حجت کا حضرت مرزا صاحب نے یہ اہتمام کیا کہ ان سب کا نام لے لے کر مباہلہ کی دعوت اپنی کتاب "انجام آتھم" میں دوسری بار دے دی اور لکھا کہ مولوی عبدالحق غزنوی کے مباہلہ میں میں نے اس لئے بددعا نہیں کی تھی کیونکہ وہ ایک غبی آدمی تھا اور معاملہ کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتا تھا۔ مگر اب میں بھی بالمقابل بددعا کروں گا اور فرمایا:

"میں یہ بھی شرط کرتا ہوں کہ میری دعا کا اثر صرف اس صورت میں سمجھا جائے کہ جب تمام وہ لوگ جو مباہلہ کے میدان میں بالمقابل آویں ایک سال تک ان بلاؤں میں سے کسی بلا میں گرفتار ہو جائیں اگر ایک بھی باقی رہا تو میں اپنے تئیں کاذب سمجھوں گا۔ اگرچہ وہ ہزار ہوں یا دو ہزار اور پھر ان کے ہاتھ پر توبہ کروں گا اور اگر میں مر گیا تو ایک خبیث کے مرنے سے دنیا میں ٹھنڈ اور آرام ہو جائے گا۔ میرے مباہلہ میں یہ بھی شرط ہے کہ اشخاص مندرجہ ذیل میں سے کم سے کم دس آدمی حاضر ہوں اس سے کم نہ ہوں اور جس قدر زیادہ ہوں میری خوشی اور مراد ہے کیونکہ بہتوں پر عذاب الٰہی کا محیط ہو جانا اب کھلا کھلا نشان ہے جو کسی پر مشتبہ نہیں ہو سکتا۔ گواہ رہ اے زمین اور آسمان کہ خدا کی لعنت اس شخص پر کہ اس رسالہ کے پہنچنے کے بعد نہ مباہلہ میں حاضر ہو اور نہ تکفیر اور توہین کو چھوڑے اور نہ ٹھٹھا کرنے

والوں کی مجلسوں سے الگ ہو اور اے مومنو! برائے خدا تم سب کہو کہ آمین"(انجام آتھم ص ۶۷)

اس دعوت مباہلہ کو قبول کرنے کے لئے کوئی مولوی، کوئی عالم دین، پیر سجادہ نشین اور صوفی میدان میں نہ نکلا اور اس سے گریز کی راہ اختیار کر کے اپنے کذب وافترا پر مہر ثبت کر دی اور حضرت مرزا صاحب کا راہ حق پر ہونا پوری طرح ظہور پذیر ہو گیا۔ صرف ایک شخص نے اس دعوت مباہلہ کو وصول کرتے ہی فوراً جواب باصواب تحریر کیا۔ یہ بزرگ ہستی حضرت خواجہ غلام فرید چاچڑاں شریف کی تھی جو نواب بہاولپور کے پیر تھے اور آج پاکستان کے طول وعرض میں ایک ولی اللہ اور بزرگ صوفی شاعر کی حیثیت سے متعارف ہیں۔ وہ مکتوب شریف عربی زبان میں لکھا گیا تھا۔ اس کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

"اللہ کے دروازہ کے فقیر غلام فرید سجادہ نشین کی طرف سے بخدمت جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ تمام تعریفیں اس خدا کے لئے جو رب الارباب ہے اور درود اس رسول مقبولؐ پر جو یوم حساب کے شفیع ہیں اور نیز آپؐ کی آل اور اصحاب پر اور تم پر سلام اور ہر ایک پر جو راہ صواب میں کوشش کرنے والا ہو۔ اس کے بعد واضح ہو کہ مجھے آپ کی وہ کتاب پہنچی جس میں مباہلہ کے لئے جواب طلب کیا گیا ہے اور اگرچہ میں عدیم الفرصت تھا تاہم میں نے اس کتاب کے ایک جز کو جو حسن خطاب اور طریق عتاب پر مشتمل تھی پڑھا ہے۔ سو اے ہر ایک حبیب سے عزیز تر تجھے معلوم ہو کہ میں ابتدا سے تیرے لئے تعظیم کرنے کے مقام پر کھڑا ہوں تا مجھے ثواب حاصل ہو۔ اور کبھی میری زبان پر بجز تعظیم اور تکریم اور رعایت آداب کے تیرے حق میں کوئی کلمہ جاری نہیں ہوا اور اب میں مطلع کرتا ہوں کہ میں بلاشبہ تیرے نیک حال کا معترف ہوں اور میں یقین رکھتا ہوں کہ تو خدا کے صالح بندوں میں سے ہے اور تیری سعی عند اللہ قابل شکر ہے جس کا اجر ملے گا اور خدائے بخشندہ کا تیرے پر فضل ہے۔ میرے لئے عاقبت بالخیر کی دعا کر اور میں آپ کے لئے انجام خیر و خوبی کی دعا کرتا ہوں۔ اگر مجھے طول کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں زیادہ لکھتا۔ والسلام علی من سلك سبيل الصواب۔"

جو علماء حضرت مرزا صاحب کے مقابلہ میں اپنے مومن کامل ہونے کا ثبوت پیش کرنے سے عاجز رہے اور پھر دعوت مباہلہ سے راہ فرار اختیار کر گئے تھے ان کو شرعاً اور اخلاقاً کچھ حق نہ پہنچتا تھا کہ وہ خدا کے اس جلیل القدر مامور اور مصلح اعظم کے خلاف فتاویٰ کفر جاری کرتے۔ غازی صاحب نے جنوبی افریقہ کی عدالت عظمیٰ میں صاف اعتراف کیا ہے کہ جس شخص کے خلاف الزام ارتداد کا فیصلہ کرنا مقصود ہوتا ہے اسے علماء کی جماعت کے سامنے آنے کی دعوت دینی ضروری ہوتی ہے اور اس کو صفائی کا پورا پورا موقع دیا جاتا ہے۔ پھر اس کو اچھی طرح شریعت اسلام کی رو سے مسئلہ متنازعہ سمجھایا جاتا ہے۔ اگر معاملہ پوری طرح سمجھ لینے کے باوجود بھی وہ اپنے موقف پر قائم رہتا ہو۔ تو تب اس کو مرتد قرار دیا جا سکتا ہے۔ چیف جسٹس نے صحیح کہا کہ ایسا شرعی طریق مرزا صاحب اور اس کے پیروکاروں کے لئے کبھی اختیار نہیں کیا گیا۔ اس لئے وہ مرتد کیسے قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس اکثر مسلم مشاہیر نے حضرت مرزا صاحب کی خدمات دینیہ کی تعریف کی اور خراج تحسین پیش کیا تھا اور انہیں مسلمان سمجھا تھا۔ اس لئے آج ان کے خلاف ارتداد کا فتویٰ کیا حقیقت رکھتا ہے۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب نے حضرت مرزا صاحب کو مرد حق تسلیم کیا۔ باقی تمام نے دعوت مباہلہ سے پہلو تہی اختیار کر لی۔ اگر وہ واقعی اہل حق تھے اور مرزا صاحب کو حقیقتاً مفتری اور کاذب اور دجال سمجھتے تھے تو خدا کی عدالت سے فیصلہ لینے کی دعوت سے انہوں نے کیوں گریز کیا۔ عجیب طرفہ تماشہ ہے کہ بقول ان کے ایک جھوٹا مدعی میدان میں کھڑا ہے اور سچے گروہ کو دعوت مباہلہ دے رہا ہے اور سچا گروہ اس سے اپنی جان چھپاتا پھرتا ہے۔ کیا یہ وطیرہ اہل حق کا ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل جاء الحق و زهق الباطل ان الباطل كان زهوقا فرقان حمید کی اس آیت کریمہ کی صداقت ہم نے بچشم خود دیکھ لی ہے۔ محض دنیاداروں اور دین سے نابلد افراد کی ووٹوں سے کسی کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دینا خدا تعالیٰ کی نگاہ میں اتنا بڑا گناہ ہے کہ جس کی سزا پاکستان میں ہر شخص بھگت رہا ہے۔

تحریک احمدیت کسی ایک ملک تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ بین الاقوامی حیثیت اختیار کر چکی ہے اور دنیا کے کثیر ممالک میں پھیل چکی ہے۔ اگر بعض اسلامی ممالک نے حکومت پاکستان کے دباؤ کے تحت وقتی طور پر احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا ہے تو اس سے جماعت کی دینی سرگرمیوں پر کوئی منفی اثر نہیں پڑتا۔ یہ اس لئے کہ جو علم الکلام اس جماعت نے پیش کیا ہے اس کی طرف اکثر اسلامی ممالک کا بھی رجحان پیدا ہو رہا ہے اور چونکہ اس تحریک کی ضرورت زیادہ تر ایسے ممالک میں ہے جہاں اعلائے کلمتہ الحق کا کوئی انتظام نہیں اور وہاں کی اقوام عیسائیت کے زیر اثر زیادہ ہیں۔ اس لئے تحریک احمدیت وہاں موثر کردار ادا کر رہی ہے۔ سارے عالم اسلام میں کوئی ایک

ادا کرتی ہو اور نہ کوئی ایسی جماعت پیدا ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس مقدس اور اہم ترین فریضہ کو صرف وہی جماعت ادا کر سکتی۔ جس کی پشت پر کسی خدا کے بھیجے ہوئے مصلح عظیم کا ہاتھ ہو اور یہ سعادت سوائے تحریک احمدیت کے اور کسی کو نصیب نہیں۔ پاکستان کے اندر جو مخالف احمدیت علماء اور مذہبی سکالرز اس جماعت کی مخالفت پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ وہ گھر سے باہر نکل کر دیکھ لیں کہ کس زور شور سے یہ تحریک پنپ رہی ہے اور عیسائی مشنریوں کے بالمقابل اپنا مبلغ علم بھی آزمالیں۔ ان کا آج تک کسی مخالف اسلام عالم اور سکالر سے واسطہ نہیں پڑا اس لئے غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ مگر ایک بات انہیں اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ ان کی مخالفت اس خدائی تحریک کو دنیا میں روز افزوں ترقی میں بڑی مدد دے رہی ہے کیونکہ پاکستان کی طرح دنیا کے دوسرے ممالک کے عوام تنگ نظر اور غیر معقول نہیں ہیں۔ جو بات انہیں معقول نظر آتی ہے اسے بلا جھجک قبول کر لیتے ہیں۔ انشاء اللہ وہ دن بھی دور نہیں جب مملکت خداداد پاکستان میں بھی مخالفت کے بادل چھٹ جائیں گے اور لوگ جوق در جوق اس تحریک میں شامل ہو کر غلبہ اسلام کے اہم ترین مشن میں ممد و معاون ہوں گے۔ کیونکہ یہ حقیقت زیادہ مدت تک عوام کی آنکھوں سے چھپائی نہیں جا سکتی کہ مخالفت اور وہ بھی اشد ترین مخالفت کا صرف حق ہی پامردی سے مقابلہ کر سکتا ہے۔ کوئی جھوٹا انسان اور اس کی جھوٹی تحریک مخالفت کے طوفان میں چند دنوں میں دم توڑ دیتی ہے اور اس کا سارا کاروبار تباہ و برباد ہو جاتا ہے مگر الٰہی تحریکیں مخالفت کے باعث کامیابیوں کی منازل تیزی سے طے کرتی ہیں اور مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جاتی ہیں۔ کیونکہ قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی نصرت ان کے شامل حال ہوتی ہے۔ ان کا ماٹو نصر من اللہ و فتح قریب ہوتا ہے۔ مولوی ظفر علی خان مالک و مدیر اخبار "زمیندار" جماعت احمدیہ کے بڑے معاند و مخالف تھے۔ انہوں نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا:

"یہ (یعنی احمدیت) ایک تناور درخت ہو چلا ہے جس کی شاخیں ایک طرف چین اور دوسری طرف یورپ میں پھیلتی ہوئی نظر آتی ہیں" (زمیندار ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۲ء)۔

یہ اعتراف ۱۹۳۲ء کا ہے آج ۱۹۹۸ء ہے اور یہ کاروان برابر ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

برطانوی سیاستدانوں اور عیسائی مشنریوں کی ہندوستان میں آمد اور ان کی رپورٹوں کا افسانہ

غازی صاحب نے اپنی زیر نظر کتاب کے صفحہ ۱۶-۱۷ پر شورش کاشمیری کی کتاب "عجمی اسرائیل" کے حوالہ سے مندرجہ ذیل کہانی بیان کی ہے:

دستاویز "برطانوی سلطنت کی ہندوستان میں آمد" ہمیں بتاتی ہے کہ ۱۸۶۹ء میں ایک برطانوی وفد جو سیاستدانوں اور پادریوں پر مشتمل تھا' ہندوستان بھیجا گیا۔ تاکہ وہ ہندی مسلمانوں کو رام کرنے کے ذرائع اور طریقے دریافت کرے۔ اس وفد نے ۱۸۷۰ء میں برطانوی حکومت کو دو رپورٹیں تیار کر کے پیش کیں جن کے اندر انہوں نے لکھا کہ ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت اپنے دینی رہنماؤں کی اندھا دھند پیروی کرتی ہے۔ اگر برطانوی حکومت کوئی ایسا شخص ڈھونڈ نکالے جو ظلی نبوت کا دعویٰ کر دے تو لوگ اس کے گرد جمع ہو جائیں گے۔ مگر مسلمانوں میں ایسے شخص کا ڈھونڈ نکالنا بڑا کٹھن کام تھا جسے ایسی نبوت کا دعویٰ کرنے پر ابھارا جا سکتا۔ اس وفد نے یہ بھی لکھا کہ اگر حکومت اس مسئلہ کو حل کرے تو پھر اس کی سرپرستی میں ایسی نبوت خوب پھل پھول سکتی ہے۔ اس وفد نے برطانوی حکومت کو یہ مشورہ بھی دیا کہ چونکہ اب اسے پورے ہندوستان پر مکمل تسلط ہو چکا ہے اس لئے وہ مذہبی اختلافات کو زیادہ ابھار کر عوام کے اندرونی اضطراب کو خوب ہوا دے سکتی ہے"۔

اس کہانی کے بعد مزید لکھا ہے "ان حالات میں مرزا غلام احمد منصہ شہود پر آئے۔ نبوت کا دعویٰ کیا اور اعلان کیا کہ جہاد منسوخ ہو چکا ہے... برطانوی آبادکاروں کے ان منصوبوں کے لئے مرزا غلام احمد سے زیادہ بہتر اور کارآمد کوئی دوسرا شخص نہیں ہو سکتا تھا"۔

جب کوئی عالم دین کذب و افترا کی راہ اختیار کرتا ہے تو اس کے نتیجہ میں حساس لوگوں کا بیشتر طبقہ مذہب سے ہی متنفر ہو جاتا ہے۔ غازی صاحب نے یہ کہانی لکھ کر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی ذات گرامی کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچایا البتہ ان کی اپنی ذات ضرور گرہن زدہ ہو گئی ہے۔ میں قارئین پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ یہ کہانی خواہ شورش کاشمیری نے لکھی ہو خواہ ڈاکٹر ایم اے غازی نے یا خواہ رسوائے زمانہ جمعیت علماء اسلام' سرگودھا نے' مذہب کے نام پر بددیانتی اور دروغ بافی کا بدترین نمونہ ہے اور وہ تمام افراد جنہوں نے یہ کہانی لکھی ہے اور اسے خوب شہرت دی ہے اگر ان کے اندر

ایمان کی رتی بھی ہوتی تو وہ یہ جھوٹ لکھنے میں اتنے کبھی بیباک نہ ہو جاتے۔ شورش کاشمیری کا تعلق جماعت احرار سے تھا جو آل انڈیا کانگرس کے رزق پر پلا تھا اور کانگریس کی مسلم کش سیاست کا ہی مشعل بردار تھا۔ اس لئے یہ دروغبافی اس سے بعید نہ تھی۔ اس شخص نے یہ کہانی اپنے ہی ہمجنسوں کے پمفلٹ سے چرائی تھی جنہوں نے اپنی رسوائیوں سے بچنے کے لئے جمعیت علماء اسلام سرگودھا کا روپ دھار لیا تھا۔

یہ پمفلٹ ۱۹۶۷ء میں بزبان انگریزی Something to ponder over کی سرخی سے اِس چھپے احراری گروہ نے خالد پریس' سرگودھا سے چھپوا کر شائع کیا۔ وہ جھوٹ کا پلندہ میرے سامنے ہے۔ میں ڈاکٹر غازی صاحب سے پر زور مطالبہ کرتا ہوں کہ نام نہاد برطانوی وفد کی دونوں رپورٹوں کے اصل متن پبلک کے سامنے پیش کریں اور کوئی دستاویزی ثبوت مہیا کریں کہ واقعی کوئی وفد برطانوی سیاستدانوں اور عیسائی مشنریوں کا انگلستان سے ہندوستان آیا تھا۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ غازی صاحب قیامت تک کوئی دستاویزی ثبوت پیش نہیں کرسکتے۔ کیونکہ ان mزعومہ رپورٹوں کا وجود ہی کہیں دنیا میں نہیں ہے۔ غازی صاحب کے ہاتھ بہت لمبے ہیں' انہیں سرکاری حلقوں میں دور تک رسائی حاصل ہے۔ وہ لندن میں مقیم پاکستانی ہائی کمشنر کی خدمات بھی با آسانی حاصل کرسکتے ہیں۔ غازی صاحب تمام ممکن ذرائع بروئے کار لا کر دیکھ لیں انہیں سوائے ناکامی کے اور کچھ بھی حاصل نہ ہو گا۔ پھر انہیں خالی بالطبع ہو کر ضرور سوچنا چاہئے کہ کیا جھوٹ بول کر اور جھوٹے الزام لگا کر واقعی دین کی کوئی خدمت ہو سکتی ہے اور کیا ایسی خدمت درگاہ الٰہی میں باریابی پاسکتی ہے۔ غازی صاحب! حضرت مرزا صاحب واقعی بڑے صادق انسان تھے۔ آپ انہیں انگریز کا ایجنٹ قرار دیتے نہیں تھکتے مگر اصل حقیقت جس کے پیچھے واقعاتی شہادت کی بے پناہ قوت ہے یہ ہے کہ آپ انگریز کے دین کے بہت بڑے دشمن تھے۔ اتنے بڑے دشمن کہ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں ایک مثال بھی نہیں ملتی۔

غازی صاحب! حضرت مرزا صاحب کا منصۂ شہود پر آنے کا سبب انگریز نہیں بلکہ آپ کی تصنیف "براہین احمدیہ" بنی تھی۔ جس پر بڑے بڑے علماء نے آپ کو جی بھر کے خراج تحسین پیش کیا تھا۔ اس کتاب کے اندر آپ نے ہستی باری تعالیٰ اور حقیقت نبوت محمدیہ پر جو دلائل پیش کئے ان سے آپ کے تبحر علم و معرفت کا چرچا چار سو پھیل گیا تھا اور اس میں مخالفین اسلام کو جو دس ہزار روپے کا انعامی چیلنج دیا تھا اس سے ان تمام کی کمر ہمت ٹوٹ گئی تھی۔ یہ واقعہ ۱۸۸۴ء کا ہے۔ پورے چھ سال بعد آپ نے اپنا یہ الہام شائع کر کے ساری دنیا کو حیرت زدہ کر دیا کہ مسیح ابن مریم فوت ہو گیا و جعلناك المسیح ابن مریم اِس اعلان کی زد براہ راست انگریز کے مذہب پر پڑی۔ کیونکہ اس کے مذہب کی بنیاد ہی یہ ہے کہ ان کا خداوند مسیح زندہ آسمان پر موجود ہے اور کائنات کا سارا نظام چلانے میں اپنے خداباپ کا برابر شریک ہے لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ مسیح دراصل فوت ہو چکے ہوئے ہیں تو اس سے عیسائیت کی فلک بوس عمارت آن واحد میں زمین بوس ہو جاتی ہے۔ اب بتایئے کہ جس شخص نے آ کر انگریز کے مذہب کی جڑوں پر تبر رکھ دیا کیا وہ انگریز کا ایجنٹ ہو سکتا ہے۔ تیسرا مسئلہ تنسیخ جہاد کا ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے مئی ۱۹۰۰ء میں ایک پمفلٹ "گورنمنٹ انگریزی اور جہاد" لکھا جس میں آپ نے دین کی خاطر جنگ اور قتال حرام قرار دیا۔ بقول غازی صاحب برطانوی وفد ۱۸۶۹ء میں ہندوستان آیا اور ۱۸۷۰ء میں اس نے اپنی رپورٹیں لکھیں اور حکومت کو پیش کیں۔ گویا پورے تیس سال بعد حضرت مرزا صاحب نے بقول غازی صاحب جہاد منسوخ کیا۔ غازی صاحب نے اس فتویٰ کو حضرت مرزا صاحب کی انگریز نوازی اور اسلام دشمنی کی دلیل ٹھہرایا ہے۔ مگر میں پوچھتا ہوں کہ ۱۸۵۷ء کے واقعہ غدر جسے اب جنگ آزادی کا نام دیا جانے لگا ہے سے لے کر ۱۹۰۰ء تک علماء ہند اور مسلم مشاہیر کا کیا رویہ تھا۔ کیا وہ سب جہاد اسلامی یعنی جنگ و قتال کے حامی اور موئد تھے اور انگریز کے خلاف برسرپیکار رہتے تھے۔ غازی صاحب نے تاریخ ہند کے اس باب میں ایک حرف تک نہیں لکھا۔ مگر میں انہیں بتانا چاہتا ہوں کہ ان کے اس زمانہ کے تمام بزرگ علماء اور قابل احترام مسلم مشاہیر انگریز کے نہ صرف وفادار تھے بلکہ اس کے خلاف لاٹھی تک اٹھانے کو صریح بغاوت قرار دیتے تھے۔ اس سلسلہ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی' مولانا رشید احمد گنگوہی' نواب صدیق حسن آف بھوپال' سرسید احمد خان' مولانا محمد حسین بٹالوی' مولانا احمد رضا خان بریلوی وغیرہم قابل ذکر ہیں۔ اگر ان میں حضرت سید احمد بریلوی علیہ الرحمتہ مجدد صدی سیزدہم اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہید کے فتوے شامل کر لئے جائیں تو حضرت مرزا صاحب کی صداقت کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔ ۱۹۰۰ء کے بعد کے زمانہ میں علامہ سر محمد اقبال' مولانا شبلی نعمانی اور مولانا ظفر علی خان کے خیالات کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اب ذرا مشتے از خروارے ان بزرگوں کے فتوے ملاحظہ ہوں:

حضرت سید احمد بریلوی علیہ الرحمتہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ

جب آپ سکھوں کے خلاف جہاد کرنے تشریف لے جا رہے تھے کسی شخص نے پوچھا کہ آپ اتنی دور سکھوں پر جہاد کرنے کیوں جاتے ہیں انگریز جو اس ملک پر حاکم ہیں اور دین اسلام سے منکر ہیں گھر کے گھر میں ان سے جہاد کر کے ملک ہندوستان لے لیں جہاں لاکھوں آدمی آپ کے شریک اور مددگار ہو جائیں گے۔ جواب دیا۔ سرکار انگریزی گو منکر اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم و تعدی نہیں کرتی اور نہ ان کو فرض مذہبی اور عبادت لازمی سے روکتی ہے پھر ہم سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں اور خلاف اصول مذہب طرفین کا خون بلا سبب گرادیں"۔ (سوانح احمدی ص ۷۰ بحوالہ مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۱۰۸)

مولانا سید نذیر حسین دہلوی شیخ الکل نے فتویٰ دیا:

"جب کہ شرط جہاد کی اس دیار میں معدوم ہوئی تو جہاد کا یہاں کرنا سبب ہلاکت اور معصیت ہوگا" (فتاویٰ نذیریہ جلد نمبر ۴ ص ۴۷۲)

سر سید احمد خان نے فرمایا:

"مسلمان ہماری گورنمنٹ کے مستامن تھے کسی طرح گورنمنٹ کی عملداری میں جہاد نہیں کر سکتے" (اسباب بغاوت ہند)

مولانا رشید احمد گنگوہی نے ارشاد فرمایا:

"جب میں حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار رہا ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بیکانہ ہوگا اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے اسے اختیار ہے جو چاہے سو کرے" (تذکرۃ الرشید یہ جلد اول ص ۸۰ بحوالہ اخبار الاعتصام لاہور ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۰ء)

مولانا محمد حسین بٹالوی نے تحریر کیا:

"ہندوستان کے تمام طبقات رعایا سے صرف ایک ہی فرقہ اہلحدیث ہے جو اس سلطنت کے زیر سایہ رہنے کو بلحاظ امن و آزادی مذہبی اسلامی سلطنتوں کے زیر سایہ رہنے سے بہتر جانتا ہے کیونکہ اس فرقہ کو بجز اس سلطنت کے کسی اور سلطنت میں اسلامی کیوں نہ ہو پوری آزادی حاصل نہیں ہے" (اشاعۃ السنۃ جلد ۹ نمبر ۷ ص ۱۹۳)

سید احمد رضا خان بریلوی کا فتویٰ بھی ملاحظہ ہو:

"ہندوستان دارالاسلام ہے اسے دارالحرب کہنا ہرگز صحیح نہیں۔" (نصرۃ الابرار ص ۱۲۹، لاہور)

انجمن حمایت اسلام لاہور کے جملہ منتظم ممبران نے اعلان کیا:

"عنایات گورنمنٹ کے عوض ہمارا فرض ہے کہ ہم گورنمنٹ کے ہمیشہ وفادار رعایا بنے رہیں اور مسلمانوں کو دہرا فائدہ ہے، رعایا ہونے کا حق علیحدہ ادا۔ ثواب کا ثواب کیونکہ ہمیں اللہ نے قرآن شریف میں تعلیم دی ہے اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم۔ خدا ایسی سلطنت کو مدت تک ہمارے سر پر قائم رکھے جس کے سایہ عاطفت میں اتنا آرام پایا اور ہمیشہ ہم کو اس کا تابعدار رکھے" (مطبوعہ رپورٹ انجمن حمایت اسلام لاہور ۱۹۰۳ء)

اِن چند فتوؤں سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ جب علماء کا جم غفیر انگریزی حکومت کا موئد اور معاون اور وفادار تھا جس کا عوام الناس پر اثر و رسوخ بڑا گہرا تھا تو شورش کاشمیری کی "عجمی اسرائیل" میں بیان کردہ کہانی کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے بھی وہی کچھ کہا جو تمام علماء کہہ رہے تھے اگر ان علماء کے حضرت مرزا صاحب بھی ہمنوا ہو گئے تو اس سے انگریز کو کیا فائدہ حاصل ہوا۔ جب تمام علماء نے انگریز کے خلاف جہاد ناجائز قرار دے دیا ہوا تھا تو پھر عملی طور پر ان حالات میں جہاد بالسیف منسوخ ہی ہو چکا تھا۔ مولانا ظفر علی خان نے تو دو قدم آگے بڑھائے تھے اور لکھا تھا:

"اگر خدانخواستہ گورنمنٹ انگلشیہ کی کسی مسلمان طاقت سے اَن بَن ہو جائے تو ایسی صورت میں مسلمانوں کو اسی طرح سرکار کی طرف سے جلتی آگ میں کود کر اپنی عقیدتمندی ثابت کرنی چاہئے جس طرح سرحدی علاقہ اور سمالی لینڈ کی لڑائیوں میں مسلمان فوجی سپاہیوں نے اپنے مذہبی اور قومی بھائیوں کے خلاف جنگ کر کے اس بات کا بار بار ثبوت دیا ہے کہ اطاعت اولی الامر کے اصول کے وہ کس قدر پابند ہیں" (زمیندار ۱۲ نومبر ۱۹۱۱ء)

اگر غازی صاحب کے نزدیک حضرت مرزا صاحب کا فتویٰ غلط تھا تو مزے کی بات یوں ہوتی کہ اسے غلط ثابت کرنے کے لئے اس زمانہ میں مسلمانوں کے کسی جہاد بالسیف میں کامیابی کی کوئی مثال پیش کی ہوتی۔ مگر وہ ایسی مثال کہاں سے پیش کر سکتے تھے۔ البتہ جن مسلمانوں کے دماغوں میں یہ سودا سمایا ہوا تھا کہ تلوار کے بل بوتے پر انگریز کو ملک سے نکال باہر کیا جا سکتا ہے ان کا حشر اور ان کی ناکامی کی داستان مجلس احرار اور اسلام کے بے تاج بادشاہ اور مسلمانوں کے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی زبان سے سن لیجئے:

"۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں علماء شریک ہوئے اور ناکامی کے بعد مارے گئے۔ کچھ قید ہوئے ہزاروں انسان قتل ہوئے۔ شہزادے قتل ہوئے ان کا خون کیا گیا۔ ان مصیبتوں کے بعد ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اسلامی حکومت قائم کرنے کا خیال شکست کھا گیا۔ اس کے بعد پھر ۱۹۱۴ء میں علماء کی ایک جماعت

نے اس خیال سے یعنی مسلم راج قائم کرنے کے خیال سے تحریک شروع کی اور اس میں شکست کھائی۔ اس کے بعد ۱۹۲۰ء میں شیخ الاہند مولانا محمود الحسن دیو بند' مالٹا سے رہا ہو کر تشریف لائے۔ دہلی میں ملک کے مختلف حصوں سے پانچ سو سے زائد علماء کا اجتماع ہوا اور وہاں طے پایا کہ تشدد کا راستہ غلط ہے۔ موجودہ دور میں اسلامی حکومت کا قیام تقریباً ناممکن ہے لہٰذا کانگریس کے ساتھ شامل ہو کر ہندوستان کی تمام جماعتیں مل کر ملک کا انتظام کریں اور جمہوری حکومتیں بنائیں چنانچہ اِس وقت تک ہم اسی عقیدہ پر قائم ہیں اور ہم اسی راستہ کو صحیح سمجھتے ہیں" (سوانح حیات عطاء اللہ شاہ بخاری مولفہ خان کابلی ص ۱۲۰)

اسے کہتے ہیں— آنکہ عاقل میکند کند ناداں مگر بعد از خرابی بسیار

پھر غازی صاحب ہی کے بزرگ مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمعیت العلماء ہند نے سہارنپور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"بھائی صاحب! معاف کرنا یہ مولوی تو ایک ہی چیز جانتے ہیں یا تو جہاد کریں گے نہیں تو ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہیں گے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ یہ جذبہ تو قابل تعریف ہے لیکن تجربہ کے خلاف ہے ۱۸۵۷ء میں تم جہاد کر کے دیکھ چکے ہو۔ جب اس وقت کامیاب نہیں ہوئے تھے تو اب کیا توقع ہے۔ تم کو اگر جہاد کا شوق ہے تو کر کے دیکھ لو۔ مجھے تمہارے اس عقیدے پر کوئی اعتراض نہیں لیکن کامیاب نہیں ہو گے" (الجمیعتہ ۲۸ اگست ۱۹۳۱ء)

اور پروفیسر غلام جیلانی برق بھی تسلیم کرتے ہیں:

"یہ درست ہے کہ انگریز کے زمانہ میں ان کے خلاف اعلان جہاد خلاف مصلحت تھا اس لئے کہ ہمارے پاس ٹوٹی ہوئی لاٹھی بھی نہ تھی"

(حرف محرمانہ ص ۱۹۹)

غازی صاحب کے اپنے بزرگوں کے ان فتوؤں اور بیانوں کے پیش نظر کسی صاحب بصیرت کے نزدیک حضرت مرزا صاحب پر منسوخی جہاد کے الزام کی کچھ حقیقت نہیں رہتی اور ان بیانوں سے عیاں ہو جاتا ہے کہ انگریز کے خیر خواہوں اور وفاداروں کا جال سارے ہندوستان پر پھیلا ہوا تھا اور اس کے قدم سرزمین ہند پر بڑی مضبوطی سے گڑے ہوئے تھے اور اسے نام نہاد برطانوی وفد کی سفارشات پر عمل درآمد کرنے کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔

اب صرف ایک الزام باقی یہ رہ جاتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے انگریز کے ایما سے ظلی نبوت کا دعویٰ کیا تھا جس کا واحد مقصد مسلمانوں کی وحدت ملی کو پارہ پارہ کرنا تھا اور تشتت و افتراق سے انہیں ہر لحاظ سے کمزور کرنا تھا۔ غازی صاحب کے اس الزام کی بھی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ کیونکہ جب ہم ان مسلمانوں کی ساری زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں جو انیسویں صدی میں تختہ ارض پر پھیلے ہوئے تھے تو ہمیں ان سے وحدت ملی کی معمولی سی رمق بھی دکھائی نہیں دیتی۔ وہ توریت کے ذروں کی طرح بکھرے پڑے ہوئے تھے اور یہی ملی انتشار ہی ان کی غیر اقوام کے ہاتھوں محکوم بننے کا سبب بنا تھا۔ پھر یہ انتشار صرف سیاسی سطح ہی پر نہ تھا بلکہ دینی سطح پر حالت اور بھی ابتر تھی اور تکفیر کے گولے ایک دوسرے پر شب و روز برسائے جا رہے تھے۔ جس نے دشمنوں کو اور شہہ دی کہ ان میں رہی سہی باقی قوت کا بھی کچومر نکال دے۔ اس حالت میں انگریز کو کیا ضرورت تھی کہ کسی شخص سے ظلی نبوت کا دعویٰ کرا دے۔ اگر انگریز کو اپنی حکومت کے لئے مسلمانوں کے باہمی اتحاد سے خطرہ تھا تو وہ اتحاد تو کہیں موجود ہی نہ تھا جو چیز انگریز کی ساری عملداری میں موجود ہی نہ تھی اس کے سدباب کی تدبیریں کرنا بڑا احمقانہ قدم ہوتا اور ایسا قدم اٹھانا انگریز جیسی مدبر قوم کبھی سوچ بھی نہ سکتی تھی۔

مگر غازی صاحب کی اس خیال آفرینی کے برعکس ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ جونہی حضرت مرزا صاحب نے مسیح موعود اور مہدی معہود ہونے کا دعویٰ کیا آپ کے خلاف ایک طوفان مخالفت اٹھ کھڑا ہوا اور وہی مسلمان جو ریت کے ذروں کی طرح بے جان تھا۔ یک بارگی اپنے علماء کی سرکردگی میں بنیان مرصوص بن گیا اور جملہ فرقہ ہائے اسلام نے جو ایک دوسرے کی تفسیق اور تکفیر میں الجھے رہتے تھے اپنی توپوں کا رخ حضرت مرزا صاحب کی طرف کر دیا اور وہ گولہ باری کی کہ خود انگریز اور پادریوں کا گروہ بھی حیرت زدہ ہو گیا۔ یہ اتحاد الکفر ملة واحدة کی صورت میں تھا اور یہ اتحاد کبھی ٹوٹتا ہوا دکھائی نہیں دیا۔ بلکہ اس اتحاد کی بنیاد پر ہی ستمبر ۱۹۷۴ء میں احمدیوں کو آئین پاکستان کی رو سے غیر مسلم قرار دے دیا گیا۔

مسلمانوں میں اختلاف اور انتشار پیدا کرنے والے کون حضرات ہیں اور وہ کس کی پیداوار ہیں۔ یہ داستان اگرچہ بڑی دلخراش ہے تاہم قارئین کے لئے دلچسپی سے خالی نہیں۔ میں یہ داستان غازی صاحب کے یگانوں کی زبان سے سناتا ہوں تاکہ وہ ان کے لئے سبق آموز اور زیادہ عبرتناک ہو:

(۱) "وہ (یعنی انگریز) جانتے تھے کہ آنحضرت ؐ کی محبت کی قوت نے قیصر و کسریٰ کے در و دیوار ہلا دیئے تھے اور اس جذبہ کی جہانگیری سے انگریز بری طرح خائف تھا۔ مسلمانوں کی اس عزیز متاع ایمانی کو لوٹنے کے لئے انگریز نے ایک شخص قاسم نانوتوی کو اس کام کے لئے منتخب کیا جس نے

انگریزوں کے مفاد کی بنا پر اسلام کے نام پر دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ نانوتوی ٹولہ انگریزوں کے اشارے پر ناچ رہا تھا۔ اس وقت اس ٹولے کی کتابیں انگریزوں کے منشا کے عین مطابق تھیں اور ان کے مشن کو بڑی مدد ملی۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی لاہور کی بائبل سوسائٹی میں ان لوگوں کی "تقویتہ الایمان" اور ایسی ہی بے سود کتابیں عیسائی راہبوں نے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے بطور حوالہ رکھی ہیں" (درجواب آں غزل ص ۸۰۷ مصنفہ چوہدری محمد حسین 'لاہور)

غازی صاحب مہربانی کر کے حضرت مرزا صاحب کی کوئی ایک ہی کتاب بتا دیں جو عیسائیوں نے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے اپنی لائبریریوں میں رکھی ہو۔

(۲) "دیوبندی ٹولہ انگریز نے اپنی ضرورت کے تحت تنخواہیں دے کر کھڑا کیا تھا اور اس انگریزی محکمہ کے انچارج مولوی اشرف علی تھانوی تھے جو کہ چھ سو روپیہ ماہوار (سات ہزار دو سو روپے سالانہ) انگریز سے تنخواہ پا کر مسلمانوں کو مشرک اور بدعتی کہتے تھے" (ہفت روزہ سواد اعظم 'لاہور ۲۱ نومبر ۱۹۶۲ء)

(۳) اسی ہفت روزہ "سواد اعظم" نے اپنی ۲۸ نومبر ۱۹۶۲ء کی اشاعت میں ایک طویل نظم شائع کی تھی جس کے چند شعر یوں تھے:

تھے خانہ زاد لارڈ کلائیو کے چار یار — نانوتوی' قاسمی' گنگوہی' تھانوی
انگریز کے غلام تمہارے امام تھے — روندی گئی ہے جن کے عماموں کی برتری
انگریز کا مجاہد نقلی بنا تھا کون — تھا کون بھاڑ کھاؤ بنارس کا ایلچی
ارباب دیوبند تھے برٹش کے فضلہ خوار — پاتے تھے ماہوار وہ رقمیں بڑی بڑی

(۴) "گکھڑوی صاحب! باب جنت کے مصنف کو اب تو سمجھا دیجئے کہ جو مدرسہ کالے پادریوں نے قائم کیا (مراد دارالعلوم دیوبند ہے۔ ناقل) جس کے بارے میں خود انگریزوں نے اعتراف کیا کہ یہ مدرسہ ممد و معاون سرکار ہے جس کے اکابر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریز کی بھرپور حمایت میں حریت پسندوں سے برسرپیکار رہے جو اپنے آپ کو سرکار کا وفادار کہتے اور منواتے رہے جو خود اعلان کرتے رہے کہ اگر ہماری حکومت ہو جائے تو ہم انگریز کو نہایت آرام اور راحت سے رکھیں گے کیونکہ انہوں نے ہمیں آرام پہنچایا ہے جو انگریزوں کے ہزاروں روپیہ سالانہ نذرانہ وصول کرتے رہے اور اس کے صلے میں تخریب دین و افتراق بین المسلمین کا ظالمانہ کھیل کھیلتے رہے" (الصوارم الہندیہ ص ۵۸-۵۷)

(۵) مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم نے بھی علماء دیوبند کی میٹنگ میں جو ۷ دسمبر ۱۹۴۵ء کو ہوئی اور جس کا مقصد کانگریسی اور مسلم لیگی علماء دیوبند میں مصالحت کرانا تھا تقریر کرتے ہوئے انکشاف کیا کہ حکومت کی طرف سے مولانا اشرف علی تھانوی کو چھ سو روپیہ ماہوار دیا جاتا تھا اور مزید کہا:

"لہٰذا موصوف کے معتقدین کو ڈنکے کی چوٹ بتا دیجئے کہ آپ کے مسلم بزرگ اور پیشوا کو برٹش گورنمنٹ کی عنایات و وظائف کا پورا پورا علم تھا اور انگریزی عہد کا وہ انتہائی المناک ڈرامہ حکومت کے ہاتھوں میں۔ چوں قسلم در دست کاتب — بن کر کھیل رہے تھے اور حکومت کے گن گا رہے تھے" (الصوارم الہندیہ ص ۵۴-۵۵)

اب بریلوی فرقہ کے بانی اور اس فرقہ کی اصلیت ملاحظہ ہو:

(۶) "یہ لوگ انگریزی استعمار کی پیداوار ہیں۔ یہ ایک تکفیری گروہ تھا جو انگریز نے اپنے مقاصد خاص کے لئے پیدا کیا تھا۔ بریلی میں خان احمد رضا خان ان کے سرغنہ تھے اور لاہور میں مولوی دیدار علی ان کا علی بابا تھا" (ہفت روزہ چٹان 'لاہور ۱۳ ۱۱ اکتوبر ۱۹۶۲ء)

(۷) "فی الجملہ انگریزوں کے انٹیلی جنس برانچ کے اشارہ پر احمد رضا خان اور ان کے جانشینوں نے علماء دیوبند کی تکفیر کی کیونکہ انگریز دیوبند کی تسخیر سے عاجز آ چکا تھا۔ احمد رضا خان ان خدمات کا صلہ نواب رامپور کی معرفت پانچ سو روپیہ ماہانہ لیتے رہے اور یہ راز اب سیکرٹ سروس کے ان کاغذوں سے کھل کر سامنے آ گیا ہے جو برٹش میوزیم لندن میں رکھے گئے ہیں" (ہفت روزہ چٹان '۲۲ اکتوبر ۱۹۶۲ء)

شورش کاشمیری صاحب نے مولانا احمد رضا خان کو ملنے والے ماہوار معاوضہ کے بارے میں بڑے وثوق اور جرأت سے لکھا ہے کہ اس کا دستاویزی ثبوت برٹش میوزیم لندن میں محفوظ ہے۔ مگر اپنی کتاب "عجمی اسرائیل" میں یہ لکھنے کی جرأت نہیں کی کہ نام نہاد برطانوی وفد کی دونوں رپورٹیں بھی برٹش میوزیم میں محفوظ پڑی ہیں۔ کیونکہ ان کی یہ کہانی بالکل خانہ زاد تھی۔ شورش صاحب نے بریلوی فرقہ کے متعلق مزید لکھا کہ

(۸) "یہ کام احمد رضا خان صاحب نے بڑی چالاکی سے سرانجام دیا اور پھر جب برطانیہ سے رپورٹ پہنچی کہ اس طریقہ سے ہمیں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ دیکھا کہ میں نے نیا دین بنا کر قوم کو الو بنا کر سرکار برطانیہ کا وفادار بنایا۔ ترک اور عربوں کے خلاف مسلمان انگریزی کی فوج میں بھرتی ہو کر بغداد اور کعبہ پر بھی گولی برسا رہے ہیں اور نیا دین قوم نے قبول کر لیا ہے" (رضا خانی دین 'ص ۳۱)

اور اپنے ہفت روزہ چٹان مجریہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۶۲ء میں لکھا:

(۹) (بریلوی صاحبان نے) انگریز کے اولوالامر ہونے کا فتویٰ دیا کہ ہندوستان دارالسلام ہے انگریزوں کا یہ خود کاشتہ پودا کچھ دنوں کے بعد ایک مذہبی تحریک بن گیا"

(۱۰) اسی کتاب رضا خانی دین کے صفحہ ۳۲ پر مولانا ظفر علی خان کی ایک نظم چھپی ہے اس کے چند شعر ملاحظہ ہوں:

اوڑھ کر احمد رضا خاں آئے بدعت کا لحاف
ذات ان کی ہے مجدد بات ان کی لام و کاف
مشغلہ ان کا ہے تکفیر مسلمانان ہند
ہے وہ کافر جس کو ہو ان سے ذرہ بھی اختلاف
جب سے پھوٹی ہے بریلی سے کرن تکفیر کی
دید کے قابل ہے ان کا انعکاس او انعطاف
جو حریف اسلام کا ہو آپ ہیں اس کے حلیف
اس کے دشمن آپ پہلے جو ہو نصاریٰ کے خلاف
زندگی اس کی ہے ملت کے لئے پیغام موت
کر رہا ہو جو بجائے کعبہ قبروں کا طواف

(۱۱) غازی صاحب کے محبوں نے مولانا محمد الیاس صاحب بانی تبلیغی جماعت کو بھی نہیں بخشا اور لکھا ہے کہ "انگریزوں کو ایسی مذہبی تحریک کی ضرورت پیش آئی جس کے چلانے والے اپنے ظاہر کے لحاظ سے مسلمانوں میں ارباب ہونے کی فنکارانہ صلاحیت رکھتے ہوں تاکہ ان کے ذریعے عام مسلمانوں کو مذہبی انتشار میں مبتلا کیا جاسکے چنانچہ اس عظیم مقصد کے لئے انگریزوں نے مالی امداد دے کر مولانا الیاس کو کھڑا کیا" (الصوارم الہندیہ ص ۹۸)

بین الفرقی تکفیر نے ہندوستانی مسلمانوں میں جو انتشار پیدا کیا اس کی جھلکی آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ ظلی نبوت سے انتشار ہرگز پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ مسلمان جہاں تک تحریک احمدیہ کا تعلق ہے آپس میں خلاف توقع بڑے متحد دکھائی دیتے ہیں۔ غازی صاحب نے اور نہ ہی ان کے کسی ہمنوا نے حضرت مرزا صاحب پر یہ الزام لگانے کی جرأت کی کہ ظلی نبوت اور منسوخی جہاد کے صلے میں انہیں انگریز سے کوئی مالی امداد ملتی تھی۔ یا ان کے نام کوئی جاگیر کردی گئی تھی۔

حضرت مرزا صاحب نے فرمایا تھا:

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

غازی صاحب ظلی نبوت کا دعویٰ کرنے والا عین وقت پر آیا تھا۔ اگر آپ کے نزدیک یہ شخص مسیح موعود نہ تھا تو پھر کوئی دوسرا شخص پیش کیجئے۔ جس نے اسلام کی ڈوبتی کشتی کو کنار عافیت پر لگادیا تھا جو خدمات دینیہ حضرت مرزا صاحب نے سرانجام دیں ان کا معترف تو ایک عالم ہے۔ یہ وہ چراغ تھا جو خدا تعالیٰ نے خود جلایا تھا۔ آپ کیا چیز ہیں لاکھوں کروڑوں لوگوں کی پھونکوں سے یہ انشاء اللہ کبھی گل نہ ہوگا۔ آپ کے بزرگوں نے بھی مخالفت کرکے دیکھ لی اور آپ بھی ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ آپ کی مخالفت کی آندھی نہایت تند اور تیز ہے مگر وہ چراغ بدستور روشن ہے اور اس کی روشنی چار سو پھیل رہی ہے۔ مگر افسوس اس بات کا ہے کہ سچائی کی اس روشن دلیل سے بھی آپ کی آنکھ نہیں کھلتی اور آپ حق کی مخالفت ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یاد رفتگان

از مسعود اختر، امریکہ

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مرحوم و مغفور

"آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے"

ماضی کی طرف جھانکتا ہوں تو بچپن کے زمانہ کے جلسہ سالانہ کی رونقیں ابھی تک ذہن پر منقش ہیں۔ اس زمانہ میں جہاں ہندوستان کے مختلف اطراف سے احباب و خواتین جلسہ سالانہ پر خاص اہتمام سے احمدیہ بلڈنگس میں رونق افروز ہوتے تھے وہاں صوبہ سرحد سے اون کے چوغے اوڑھے حضرات کی ایک پارٹی اچھی خاصی تعداد میں شمولیت کرتی تھی۔ ریاست امب کے بادشاہ صاحب مرحوم کے اردگرد ایک ہالہ بنا رہتا تھا۔ مولوی عبدالہادی صاحب مع اپنے صاحبزادگان آتے تھے اور ہزارہ سے آنے والوں میں غلام ربانی خان صاحب۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اور قاضی عبدالرشید صاحب مع جماعت پکھی وہزارہ کے حضرات کے شامل ہوتے تھے۔ مجھے انجمن کی سلور جوبلی کا جلسہ خاص طور پر یاد ہے بہت ہی بارونق تھا۔ بادشاہ صاحب کے گرد تو ان کی زندگی کے حالات سننے والوں کا جمگھٹا رہتا تھا لیکن ہزارہ کے بزرگوں کی اپنی ایک علیحدہ طرز تھی۔ جناب غلام ربانی خان صاحب بات بھی کرتے تو اونچی آواز میں کرتے تھے۔ قاضی صاحب کا اپنا ایک اسلوب تھا۔ دونوں پر پیشہ وکالت کا رنگ بات کرنے کے اسلوب میں غالب تھا لیکن حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی طرز گفتگو اور ہی رنگ کی تھی۔ حلیمی ہربات سے ٹپکتی تھی اور ایک نیم مسکراہٹ کی سی حالت چہرے پر ہروقت موجود رہتی تھی۔ عمر کے اس حصہ میں جہاں میں تھا ایک بچے کو یہ سمجھ کہاں ہوتی ہے کہ کہنے والا جو بات کر رہا ہے اس میں کتنا فلسفہ یا گہرائی ہے۔ ہاں کوئی بات کس رنگ اور طرز میں کہہ رہا ہے اس کا تاثر ضرور ہوتا ہے۔ اس وقت ڈاکٹر صاحب مرحوم کی طرز گفتگو اگر منفرد تھی تو ایک اور بات بھی منفرد تھی جس کا نقش ابھی تک ذہن پر ہے کہ جہاں صوبہ سرحد کے بزرگان کی اکثریت اون کے رنگ کے چوغے زیب تن کئے ہوئے تھے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے سفید رنگ کا چوغہ اوڑھ رکھا ہوتا۔

۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۹ء تک میں لاہور سے باہر رہا۔ ۱۹۴۹ء میں آیا تو اس کے بعد پھر جلسہ سالانہ میں شمولیت کا موقع ملتا رہا۔ ایک دو بار حضرت ڈاکٹر صاحب کی تقریر بھی سننے کا موقع ملا۔ حضرت امیر مولانا محمد علی صاحب علیہ الرحمۃ کے پاس جس عقیدت سے ڈاکٹر صاحب کو جلسہ کے موقع پر اور ایک دو نجی ملاقاتوں میں ملتے دیکھا اور جس محبت سے حضرت مولانا محمد علی علیہ الرحمۃ حضرت ڈاکٹر صاحب کو ملتے اس کے نقوش بھی ذہن میں ہمیشہ رہیں گے۔ یوں ہی کئی برس دور ہی دور سے ان کو دیکھتا رہا اور ان کے اخلاق جمیلہ سے متاثر ہوتا رہا۔

جناب نصیر احمد فاروقی صاحب مرحوم جب مغربی پاکستان صوبہ کے چیف سیکرٹری بن کر لاہور تشریف لائے تو ان کے ہاں ہفتہ میں ایک بار نماز عصر کے بعد سے نماز مغرب تک درس قرآن ہوتا تھا۔ جب کبھی موقع ملتا میں ان کے درس میں شامل ہوتا۔ ایک شام جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب بھی فاروقی صاحب سے ملنے کو تشریف لائے اور درس میں شامل ہوئے۔ درس کے بعد نماز مغرب کی امامت کے لئے فاروقی صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے درخواست کی۔ انہوں نے اسی شام دوران نماز اس درد بھرے لہجے میں تلاوت آیات کی کہ اس کا سرور ہمیشہ رہے گا۔

پھر کئی برس تک اسی طرح جلسہ سالانہ یا دیگر مواقع پر ان کو دیکھتا ہوتا رہا لیکن ذاتی تعارف ان سے میرا نہ تھا۔

۱۹۷۴ء کے فسادات کے بعد جب حضرت ڈاکٹر صاحب لاہور تشریف لائے تو وہ زمانہ ہماری جماعت اور افراد جماعت کے لئے نہایت صبر آزما تھا۔ اس فیصلہ سے جو صدمہ ہمیں من حیث الجماعت اور انفرادی طور پر پہنچا تھا اس سے جماعت کا بچ نکلنا مشکل نظر آتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس فیصلہ سے پہلے شاید میری طرح اور بہت سے افراد نے اپنے عقیدہ اور جماعت کی اہمیت کا اندازہ تو ایک طرف رہا تصور تک بھی نہ کیا ہوگا۔ یہ وقت امتحان تھا۔ حق و باطل میں تمیز کا وقت تھا۔ حق کی خاطر قربانیاں دینے کا وقت تھا۔ کھوٹے اور کھرے کی تمیز کا وقت تھا۔

مجھے یاد ہے ان دنوں جناب میاں فضل احمد صاحب کے گھر ایک

چھوٹی سی میٹنگ ہوئی جس میں حالات کا جائزہ لیا گیا اور آئندہ کے لئے جماعت کا طرز عمل کیا ہو اس پر تفصیل سے گفتگو ہوئی۔ اس میں جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب، جناب میاں نصیر احمد فاروقی صاحب مرحوم، مرزا مسعود بیگ صاحب مرحوم، میاں اللہ بخش صاحب مرحوم، محمد احمد صاحب مرحوم (پسر مولانا محمد علی علیہ الرحمتہ) میاں فضل احمد صاحب اور شاید چوہدری نذر رب صاحب بھی شامل تھے۔ دو تین اصحاب اور بھی تھے جن کے نام اس وقت ذہن میں نہیں آرہے۔ میاں فضل احمد صاحب نے ازراہ عنایت مجھے بھی دعوت شمولیت دی۔ مرزا مسعود بیگ صاحب مرحوم نے بحیثیت جنرل سیکرٹری اس میں حصہ لیا۔ جناب فاروقی صاحب مرحوم اور حضرت ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمتہ نے جو باتیں اس میٹنگ میں کہیں۔ وہ میری روحانی زندگی کا سرمایہ بن گئیں۔

ان کے بعد حضرت ڈاکٹر صاحب نے فرمایا "میں کیسے حق کو باطل کہہ دوں۔ میں کیونکر حضرت مرزا صاحب کو مفتری اور کذاب قرار دے دوں۔ کیا منہ دکھاؤں گا میں حضرت صاحب کو اور اپنے بزرگوں کو قیامت کے روز۔ جہاں تک دنیاوی زندگی کے نفع اور نقصان کا تعلق ہے۔ میرا گھر تو جل ہی چکا ہے۔ اگر اللہ کو اس راہ میں جان لینا درکار ہوگا تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔ میں نے جو بیعت امام وقت کے ہاتھ پر کی تھی اس میں عہد ہی دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا کیا تھا۔ اگر تمام لوگ بھی چھوڑ جائیں میں اپنا عہد نبھاؤں گا۔" ڈاکٹر صاحب مرحوم نے یہ الفاظ دل کی گہرائی سے ادا کئے تھے۔ ان الفاظ سے ان کی قوت ایمان اور عزم صمیم ظاہر تھا اور شاید میری طرح دیگر سامعین کو وہ قائد مل گیا جس کی ہر ایک کی نگاہیں متلاشی تھیں۔ بعد ازیں مسجد دارالسلام میں ایک مجلس عام ممبران کی ہوئی۔ اس روز دارالسلام میں رہائش پذیر ممبران جماعت اور خاص طور پر خواتین اور بچوں نے "احمدیت ہی عین اسلام ہے" کے Banners اٹھا رکھے تھے۔ اس مجلس سے پہلے مرحوم بھائی بریگیڈیئر عبداللطیف صاحب جو ان دنوں میجر تھے، تشریف لائے اور ان کی معیت میں مَیں حضرت ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمتہ سے پہلی بار ذاتی حیثیت میں ملا۔ ان سے بات چیت کے دوران میں نے محسوس کیا کہ وہ نہ صرف جماعتی معاملات پر بلکہ اپنے نجی معاملات پر بہت بے تکلفی سے بغیر کسی بناوٹ ولگاوٹ کے بات کرتے ہیں۔ بالکل سیدھی سادی صاف ستھری بات۔ ہم نے اس جلسہ کے متعلق ان کی رائے دریافت کی تو فرمانے لگے۔ مَیں نے تو اپنی پوزیشن واضح کردی ہے لیکن ہر ممبر کو حق ہے کہ وہ اپنی پوزیشن کا خود فیصلہ کرے۔ دین کے معاملہ میں کسی پر کسی قسم کا جبر نہیں ہونا چاہئے۔ انشاء اللہ ان سے ایک فعال اور مضبوط جماعت ابھرے گی۔ یہ بڑا امتحان کا وقت ہے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں استقامت عطا فرمائے۔

چراغوں کو صرف روشن چراغ ہی سے روشن کیا جاسکتا ہے۔ میں ذاتی طور پر جانتا تھا کہ ڈاکٹر سعید احمد صاحب ایسے شخص ہیں۔ اگر وہ جماعت کی قیادت کرنے کو تیار ہوجائیں تو جماعت اس سانحہ عظیم سے بچ نکلے گی۔

چند اور احباب سے مشورہ کے بعد میجر عبداللطیف صاحب اور میں ان سے ملنے کے لئے گئے اور ڈاکٹر صاحب سے درخواست کی کہ وہ آگے بڑھ کر جماعت کو سنبھالیں۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ مجھے میاں عمر فاروق صاحب نے لاہور میں ایک کلینک بنا کردینے کی پیشکش کی ہے۔ خود مشہور جرمن کمپنی نے بھی مجھے مفت X-Ray مشین مہیا کرنے کی پیشکش کی ہے۔ میاں فضل احمد صاحب بھی ایسی ہی پیشکش کر چکے ہیں لیکن میں نے سوچا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو شاید یہی منظور تھا کہ میں زندگی کے باقی دن دین کی خدمت میں گذاروں اس لئے میرا کلینک جل گیا۔ اللہ تعالیٰ نے جو موقع مجھے دیا ہے اب میں اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں اور میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں یہاں دارالسلام میں ہی رہ کر انجمن جو کام مجھ سے لینا چاہے گی وہ کروں گا۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ کا صرف یہاں بیٹھ جانا ہی جماعت کی تقویت کا باعث بن جائے گا۔ وہ بہت مبارک فیصلہ تھا۔ میاں فضل احمد صاحب کا خیال تھا کہ شمع روشن جہاں ہوگی پروانے وہاں خود بخود آ جائیں گے۔ میاں صاحب نے جناب فاروقی صاحب مرحوم کے تعاون سے مجلس منتظمہ سے ایک ریزولیوشن پاس کرایا جس میں حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کو دارالسلام لاہور میں رہائش رکھنے کی درخواست کی گئی۔

اس کے بعد حضرت ڈاکٹر صاحب کو انجمن کا سینئر نائب صدر منتخب کیا گیا اور ساتھ ہی بیرون ملک مشنز کا چارج بھی دے دیا گیا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے بیرون پاکستان احمدیہ مشنز اور احمدیہ جماعتوں کی تشکیل و تنظیم اور ان کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے میں جو کردار ادا کیا ہے وہ تاریخ احمدیت کا ایک سنہری باب ہے۔ ان دنوں ڈاکٹر صاحب کی عمر ۷۴-۷۵ برس کے قریب تھی اس وقت سے لے کر ۸۳ سال کی عمر تک مسلسل آٹھ برس ہر سال وہ جماعتوں کے دورے کرتے رہے۔ انہیں انتظامی امور کا تجربہ تھا۔ ہر شخص اور جماعت کے منتخب افراد سے وہ ذاتی طور پر بھی خط و کتابت کرتے رہے اور تقریباً ہر ماہ مختلف مشنز اور جماعتوں کی رپورٹیں بھی حاصل کرتے رہے۔ ۱۹۷۸ء میں جب میں لندن میں نائب امام کی حیثیت سے ڈاکٹر

نظیرالاسلام صاحب کے ساتھ کام کر رہا تھا تو حضرت ڈاکٹر صاحب دورہ پر تشریف لائے۔ لندن کے بعد انہیں ہالینڈ کے دورہ پر جانا تھا۔ انہوں نے مجھے بھی ساتھ لے لیا۔ ہم ظہر کی نماز ٹونٹنگ احمدیہ سنٹر میں ادا کر کے روانہ ہوئے تھے۔ جہاز میں عصر کی نماز کا وقت آ گیا تو ڈاکٹر صاحب نے وضو کیا۔ مجھے وضو کے لئے کہا اور نماز عصر جہاز میں ادا کی۔ جب ہم نماز ادا کر چکے تو اردگرد بیٹھے ہوئے لوگوں نے دریافت کیا کہ ہم لوگ کیا کر رہے تھے۔ اس سے موقع میسر آیا اور ڈاکٹر صاحب مرحوم نے نماز پر دس پندرہ منٹ تک بات کی۔ مجھے فرمانے لگے اللہ تعالیٰ نے سفر میں نماز کسر کی اجازت تو دی ہے قضا کرنے کی اجازت نہیں دی۔ لہٰذا نماز کا وقت جہاں آئے نماز ادا کرنی چاہیئے۔ لندن میں تو میں دیکھ چکا تھا کہ ہر ایک ممبر سے حضرت ڈاکٹر صاحب کے ذاتی مراسم تھے لیکن لندن میں تو چھوٹی سی جماعت تھی اور ایسی جماعت سے مراسم پیدا کر لینا آسان تھا لیکن ہالینڈ میں تو معاملہ اس کے برعکس تھا۔ وہاں سینکڑوں خاندان احمدیوں کے آباد تھے۔ میری حیرانگی کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب ہر خاندان کو ذاتی طور پر جانتے تھے اور وہ ان کے شیدائی تھے۔ ایمسٹرڈیم میں ایک رات کا قیام کرنے کے بعد دوسرے دن نماز جمعہ ایک ایسی مسجد میں ادا کی گئی جس میں احمدی اور غیر احمدی سب ہی شامل تھے بلکہ اکثریت غیر احمدیوں کی تھی۔ یوتریخت میں ایک شام میٹنگ کو خطاب کرنے کے بعد ہیگ پہنچے تو وہاں ہیگ کے موجودہ سنٹر کی خریداری کے لئے ۳۵ ہزار گلڈرز کی ضرورت تھی۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے اپیل کی تو رات ایک بجے تک عطیہ جات آتی رہیں۔ ایسا روح پرور نظارہ تھا کہ ایمان تازہ ہو گیا۔ ۴۵ ہزار گلڈرز سے زیادہ رقم جمع ہو گئی۔ یہاں تک کہ ہال جو کرایہ پر لیا ہوا تھا اس کے ساتھ ۱۱ بجے رات تک خالی کرنے کا معاہدہ تھا لیکن اس کے مالک نے ایک بجے رات تک کھلا رہنے دیا اور اعلان کیا کہ ان دو گھنٹوں کا کرایہ میری طرف سے عطیہ سمجھا جائے۔ یہ ایک عیسائی مالک تھا۔ رات گئے واپس اپنے کمرے میں پہنچے تو میں جو ۴۸ برس کا تھا تھک کر چور تھا لیکن ۷۸ برس کے حضرت ڈاکٹر صاحب مجھ سے پوچھ رہے تھے "آپ کو تہجد کے لئے اٹھاؤں یا نہ" میں نے عرض کیا آپ اٹھیں گے تو مجھے بھی اٹھا دیجئے گا اور تین بجے رات اٹھ کر نماز تہجد ادا کی گئی۔ دین کی خدمت کے جذبہ نے ان کو ضعیف العمری میں بھی جوان سالوں سے زیادہ ہمت عطا کی ہوئی تھی۔ سفر میں انسان کو اللہ تعالیٰ نے بھی سہولتیں فراہم کی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ اس سفر میں مجھے ان کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ میں نے دیکھا کہ وہ اپنے معمولات حضر و سفر دونوں میں نہایت باقاعدگی اور نظم و ضبط کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور قائم رکھتے ہیں۔ یہ ایک ایسی خوبی ہے جو انسان کو ہر منزل میں کامیابی کی ضمانت مہیا کرتی ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب دین کے لئے کام کرنے والے اصحاب و خواتین کی بہت قدر و منزلت کرتے تھے۔

ڈاکٹر نظیرالاسلام صاحب اور میں انگلستان گئے تو ڈاکٹر صاحب نے نہ صرف ہم دونوں کی بلکہ ہمارے بال بچوں کی بھی پوری طرح خبرداری کی۔ میں جب انگلستان سے واپس آیا کہ اپنے بال بچوں کے ہمراہ امریکہ نقل مکانی کر جاؤں تو مجھ سے دریافت کیا کہ اس دوران میرا پاکستان میں کیا پروگرام ہے۔ میں نے عرض کیا کہ کچھ نہیں صرف ویزا آنے کی انتظار کروں گا۔ تو فرمانے لگے آپ اگر پسند کریں تو میرے ساتھ فارن مشنز میں کام کریں۔ وہ تین چار ماہ مجھے "پیغام صلح" کا اسسٹنٹ ایڈیٹر اور حضرت ڈاکٹر صاحب کا خاص نائب مقرر کیا گیا اور میں ان کا ہاتھ فارن مشنز کے کام میں بٹاتا رہا۔ امریکہ کے لئے روانہ ہونے لگا تو ان دنوں صرف ایک انجمن اوکلینڈ میں تھی۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے ان کے تمام ڈائریکٹران کے متعلق مجھے معلومات پہنچائیں۔ میں جب وہاں پہنچا تو ان لوگوں سے ملنے کے بعد مجھ پر یہ بات روشن ہوئی کہ حضرت ڈاکٹر صاحب کو مردم شناسی میں ملکہ حاصل تھا لوگوں کے متعلق ان کے اندازے کا ایک ایک لفظ بالکل صحیح ثابت ہوا۔ روانگی کے وقت مجھ سے فرمانے لگے۔ دین کی خدمت کے لئے بھی کچھ وقت نکال لینے کی کوشش کیجئے گا اور بہت درد دل کے ساتھ میرے اور میرے بال بچوں کے حق میں دعا فرمائی اور ساتھ ہی دین کی خدمت کی توفیق کے لئے درخواست فرمائی۔

ماسٹر محمد انور شہید صاحب لندن امام بن کر آئے تو ان کی رہائش کے بندوبست کے لئے مکان کی ضرورت محسوس ہوئی تو حضرت ڈاکٹر صاحب امریکہ تشریف لائے اور اس بلڈنگ کی خرید کے لئے امریکہ سے فنڈز کا عطیہ لے گئے۔

حضرت امیر مولانا صدرالدین صاحب مرحوم کے وصال کے بعد حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو جماعت کا امیر منتخب کیا گیا۔ وہ ہر لحاظ سے اس مقام کے مستحق تھے اور یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہماری جماعت کے شامل حال تھا کہ ایک صحیح انتخاب کی توفیق ہمیں نصیب ہوئی۔ فارن مشنز میں حضرت ڈاکٹر صاحب جس انہماک سے امیر منتخب ہونے سے پہلے کام کرتے رہے تھے اسی انہماک سے انہوں نے بعد میں بھی کام کیا۔ تمام

جماعتوں سے خط و کتابت اسی طرح جاری رکھی جیسے پہلے تھی۔ اندرون ملک مشکلات میں دن بدن اضافہ ہونے کے باعث بیرون ملک جماعتیں ہی تحریک کی فعالیت کا ذریعہ رہ گئی تھیں۔ یہ ایک نئی صورت حال تھی جس کے پیش نظر فارن مشنز اور جماعتوں کی اہمیت بڑھ گئی تھی۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے قرآن شریف کے تراجم کا کام شروع کرایا۔ اس میں اولیت ان کے فرزند جنرل عبداللہ سعید مرحوم کو حاصل ہے جنہوں نے ہسپانوی زبان میں ترجمہ قرآن مکمل کرایا اور امریکہ کی انجمن کے تعاون سے شائع کرایا۔ اس کے بعد دیگر زبانوں میں تراجم کا کام شروع کیا گیا گو اس میں اب کچھ سست رفتاری واقع ہو گئی ہے اور تراجم اندازہ کے مطابق وقت میں شائع نہیں ہو سکے۔ تاخیر کی وجوہات بھی ہیں جن کا شاید پہلے اندازہ نہ کیا گیا تھا۔ بہر حال مختلف زبانوں میں قرآن شریف کے تراجم کا کام شروع کرنا ہی حضرت ڈاکٹر صاحب کے عظیم کارناموں میں سے ایک ہے۔ یہ ایک ایسا عظیم کام ہے جس کا اس چھوٹی سی جماعت کا کر لینا واقعی ایک اعجاز کا رنگ اپنے اندر رکھتا ہے۔ یہ ہمارے اس درویش صفت امیر کی محنت، لگن، عشق قرآن سے سرشاری اور دعاؤں کا ہی صلہ ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب میں بہت سی ذاتی اخلاقی خصوصیات تھیں جو ان کو جماعت کے باقی اصحاب سے ممتاز کئے ہوئے تھیں جو احباب کو ان کا گرویدہ بھی بناتی تھیں۔ ان میں انکساری، حیاء، غریب پروری، سادگی و درگزر کرنے کی عادت کے علاوہ محبت۔ ہر چھوٹے بڑے کے ساتھ نہایت شفقت و مہربانی سے پیش آنا۔ ہر ایک سے ہمدردی کرنا۔ دوسروں کے جذبات کا خیال رکھنا سب ہی خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ یہی تمام خوبیاں تو انسان کو عظمت بخشتی ہیں۔

حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم کو دین کا علم کسی عالم دین سے کم نہ تھا۔ میں نے ہیگ کی مسجد میں گفتگو کے دوران ان کو عربی گرامر کی باریک باتوں کے متعلق ایک صاحب کو کچھ سمجھاتے ہوئے سنا تو میں حیران رہ گیا۔ میں نے چونکہ سکول اور کالج میں عربی زبان پڑھی تھی اور عربی گرامر بھی سیکھی تھی اس لئے ان کی باتوں سے لطف اندوز ہوا۔ بعد میں جب میں نے دریافت کیا تو فرمانے لگے حضرت مسیح موعود نے اپنی ایک کتاب میں لکھا تھا کہ حافظ عبدالرحمن امرتسری کی صرف و نحو کی کتابیں پڑھ لینے سے عربی گرامر پر عبور ہو جاتا ہے تو میں نے وہ کتب بھی پڑھیں۔ حافظہ اس بلا کا تھا کہ نوجوانی میں پڑھی ہوئی گرامر ۸۷ برس کی عمر تک یاد تھی۔ حضرت صاحب کی کتب پر عبور حاصل تھا۔ اس کے علاوہ سلسلہ کے اخبارات اور رسالے بھی تمام ہی ان کی نظر سے گزرے ہوئے تھے۔

اردو زبان پر بھی ان کو اچھا خاصا عبور حاصل تھا۔ ۸۷ء سے لے کر ان کی وفات سے چند ماہ پہلے تک ان کی میری خط و کتابت اردو ہی میں ہوتی رہی۔ ان کے کوئی یکصد کے قریب خطوط میرے پاس محفوظ ہیں اور میری زندگی کا سرمایہ ہیں۔ نہایت شستہ زبان میں لکھتے تھے اگرچہ تحریر میں بھی وہی سادگی تھی جو ان کی تقریر کا خاصا تھا لیکن ادبی ذوق بہر حال ان خطوط سے مترشح ہے۔

میری طرح ان کے سینکڑوں دیگر عقیدت مندان کی ذاتی خوبیوں سے ہی ان کے گرویدہ ہوئے تھے۔ ہماری یہ عقیدت ان کے امیر منتخب ہونے سے پہلے زمانہ سے چلی آرہی تھی۔ یہ ایک ذاتی عقیدت تھی جس کے وہ مستحق تھے۔ ہمارے نزدیک امارت نے ان کو کوئی سرخاب کے پر نہ لگا دیئے تھے بلکہ ان کی ذمہ داریوں میں اضافہ کر دیا تھا۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ امیر ایک روحانی پیشوا ہوتا ہے اور امارت اسے ہی زیب دیتی ہے جس میں روحانیت بھی ہو اور قیادت کی اہلیت بھی ہو۔ ان کو اللہ کے فضل سے یہ دونوں مقام ہی حاصل تھے۔ امیر بننے سے پہلے ان کا مقام میرے دل میں ایک روحانی باپ کا تھا۔ امیر ہونے کے بعد وہ میرے روحانی قائد و پیشوا بھی ہو گئے۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب علیہ الرحمتہ کے امارت کے زمانہ میں تحریک احمدیہ لاہور نہایت نامساعد حالات کے باوجود ترقی پذیر ہوئی۔ وہ کام جو اب تک فروگذاشت کا شکار تھے ان کو ایک بار پھر نہ صرف اہمیت دی گئی بلکہ عملی اقدام ان کو کرنے کے شروع کئے گئے۔ ایک لہر نئی زندگی کی تمام جماعتوں میں محسوس کی گئی۔ ہندوستان جس سے ہماری تحریک کے بنیادی تعلقات تھے تقریباً بھلا ہی دیا گیا تھا۔ وہاں تراجم قرآن اور اشاعت اسلام کے لئے تبلیغی لٹریچر کی اشاعت کا کام نہایت مستعدی کے ساتھ شروع کیا گیا جو روز بروز ترقی پذیر ہے۔ یہ سب اپنے قائد اور اس کی قائدانہ صلاحیتوں پر اعتماد کی وجہ سے ہی ممکن ہوا۔

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب "اپنا فرض احسن طریق پر نبھا کر اپنے خالق حقیقی کے حضور تشریف لے گئے۔ جماعت کے انحطاط کا عمل رک گیا بلکہ ترقی کی طرف قدم بڑھنے لگے۔ ایسے امیر ایسے قائد کو کوئی کیسے بھلا سکتا ہے۔ احمدیت کی تاریخ میں ان کا ایک خاص مقام ہے مورخین کے نزدیک ان کی امارت کا زمانہ احمدیت کی تاریخ کا ایک روشن باب شمار ہو گا۔

میری دانست میں حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو خراج تحسین ادا کرنے کا سب سے عمدہ اور احسن طریق یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اس مقصد کے حصول کے لئے ہمہ تن مستعدی سے مصروف کار ہو جائے جو مقصد ان کو سب سے زیادہ عزیز تھا۔ یعنی اللہ کے دین کی سربلندی اور اللہ کی رضا جوئی۔

تفسیر برہان القرآن پر تبصرہ

تفسیر برہان القرآن

لفظ توفی اور حضرت مسیح کی تادیر زندگی کے متعلق قرآنی حقائق

ادبیات اسلامیہ ۱۳۳۹/۲ گلشن آباد' بیرون پاک گیٹ نے رحمت اللہ طارق صاحب کی ضخیم کتاب "تفسیر برہان القرآن" (صفحات ۱۰۱۶ قیمت ۸۲۵ روپے) شائع کی ہے۔ کتاب میں قرآن مجید کے اصطلاحات' موضوعات' مشکل مقامات' قدیم اور جدید مسلمان مفکرین کا مختلف حوالوں سے بالتفصیل ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کے ۳۳۱ مشکل مقامات پر بڑی شرح اور بسط سے بحث کی گئی ہے اور اس دوران قدیم اور جدید مفسرین کی آراء درج کی گئی ہیں۔ اس سلسلہ میں متعدد مقامات پر مصنف نے حضرت مولانا محمد علی کی رائے کو یا تو تائید میں درج کیا ہے یا ان کی رائے پر تنقید کی ہے۔ یہ تفسیر گو قرآن مجید کے ۳۳۱ مقامات تک محدود ہے لیکن اس میں تمام ضروری مسائل اور نظریات پر تمام قابل ذکر مکاتب فکر کے حوالے سے بحث درج ہے۔ اس لحاظ سے یہ تفسیر اپنی جگہ ایک منفرد تصنیف ہے۔ باب سوم میں "تحقیقی مضامین" کے تحت رحمت اللہ طارق صاحب نے بڑی عرق ریزی سے قرآن مجید کے کئی اہم موضوعات اور اس کے نسخوں کے بارے میں مختلف خیالات اور نظریات کے بارے میں بڑا قیمتی مواد مع عکسی شواہد کے درج کیا ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

باب اول میں مصنف نے قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے مختلف مضامین اور اصطلاحات پر تفصیل سے گفتگو کی ہے اس کے آخر میں اس امر کی وضاحت کی ہے کہ انہوں نے تعصب کی عینک اتار کر جہاں کہیں کوئی اچھی بات ملی اس کو درج کیا اور اس سے استفادہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ مصنف لکھتے ہیں:

"دوسرے مرحلہ پر میں نے فکر و شعور سے آراستہ لوگوں کے در پر دستک دی اور ان سے طالب رہنمائی ہوا اور یہ نہ دیکھا کہ جسے شعور کی امانت ودیعت کی گئی ہے وہ کون ہے کیوں کہ میرے پیش نظر حضرت علیؓ کا یہ زریں مشورہ تھا لا تنظروا الی من قال بل انظروا الی ماقال یعنی کہنے والے کو مت دیکھو اس کے کہے پر نظر رکھو۔

اس طرح یہ مشورہ بھی رہنمائی کرتا ہے کہ یہاں پسند و ناپسند ذاتی مسئلہ بن جاتا ہے اور طے کردہ نظریات والے ہرگز نہ چاہیں گے کہ جن کو وہ پسند نہیں کرتے ان کے حوالے سے بات چلائی جائے۔ لیکن کیا وحی الہی ان کی مفلوج سوچ کی تائید کرتی ہے۔ قرآن فرماتا ہے: لا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی یعنی کسی گروہ کی ذاتی پرخاش یا اس سے نفرت کا جذبہ تمہیں ایسا نہ کردے کہ تم تعصب اور مخالفت کی راہ چل پڑو اور اس طرح حق و انصاف کا دامن چھوڑ بیٹھو (نہیں) تم حق و انصاف کا ساتھ دو (خواہ وہ کہیں بھی ہو) کہ خود حفاظتی و تقوی کا صرف یہی ایک راستہ ہے۔

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے الحکمۃ ضالۃ المومن حیث وجدھا اخذھا۔ حکمت یعنی جوہر فرزانگی مومن کی میراث ہے وہ اسے جہاں پائے حاصل کرلے" (حدیث)۔

اس عبارت کے ایک حاشیہ میں مصنف حضرت مولانا محمد علی کے انگریزی ترجمۃ القرآن کے متعلق مولانا حنیف ندوی کا ذیل کا تبصرہ درج کرتے ہیں:

"اہل حدیث کے متکلم اور مایہ ناز عالم مولانا حنیف ندوی ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"محمد اسد نے انگریزی زبان میں قرآن کے Message یعنی پیغام کو اچھی طرح واضح کیا ہے اور اس میں ان تمام شکوک و شبہات کو دور کیا ہے جو مغربی ذہن میں قرآن فہمی کے سلسلہ میں ابھرتے اور کھٹکتے ہیں۔ ان کی یہ کوشش اس لحاظ سے تحسین کے لائق ہے کہ اس نے ہمیں مولانا محمد علی لاہوری کے ترجمہ قرآن سے یکسر بے نیاز کردیا ہے"۔

(مقدمہ' ترجمان القرآن از ندوی طبع اسلامی اکیڈیمی' لاہور جلد ۳)

مصنف محترم رحمت اللہ طارق صاحب نے ندوی صاحب کے اس تبصرہ پر اپنا یہ نہایت دلچسپ نوٹ دیا ہے:

"یہاں ان کو اعتراف ہے کہ مولانا محمد علی سے نفرت ہی سہی تاہم محمد اسد سے پہلے ان کے ترجمہ قرآن کی اہمیت واضح تھی اور ہم اس سے بے نیاز نہ ہو سکتے تھے"۔

(تفسیر برہان القرآن صفحات ۱۰۲۔۱۰۳)

اس وقت ہم حضرت عیسیٰؑ کی وفات کے سلسلہ کے سلسلہ میں لفظ توفی سے متعلق کتاب ہذا میں درج بحث میں سے صرف ایک اقتباس قارئین کی دلچسپی کے لئے درج کرتے ہیں۔ باقی بحث پھر کسی موقع پر پیش کریں گے:

"توفی" کے معنی قطعی موت ہیں

"اس موضوع پر تفصیل سے لکھنا عبث ہے کہ احمدی اور غیر احمدی مناقشات میں لفظ توفی کی جتنی وضاحت ہو چکی ہے شاید ہی کسی اور لفظ کی کی گئی ہو۔ تاہم بعض اعلام فکر اسلامی کی نشاندہی ضروری ہے جو سینکڑوں برس پہلے گزرے ہیں اور ہماری حد علم تک وہ نہ احمدی تھے اور نہ احمدیت سے آشناء۔ لہٰذا ایک غیر جانبدار مبصر کی حیثیت سے ان کی رائے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ان سب نے توفی کے معنی موت ہی کے کئے ہیں۔ میرا اشارہ شیعہ مفسر علامہ طبرسی (۱۱۵۳م) شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (۱۲۴۰م) امام ابن قیم (۱۳۵۰م)، امام ابو عبداللہ محمد بن یوسف عرف ابو حیان (۱۳۴۴م)، مشہور مفسر قرآن علامہ مصطفیٰ المراغی (۱۹۲۸م) علامہ محمد شلتوت ریکٹر ازہر یونیورسٹی مصر (۱۹۶۳م) علامہ رشید رضا (۱۹۳۵م) اور قاضی القضاۃ بدرالدین محمود (۱۴۲۰م) کی طرف ہے ان میں سے بعض کے تبرکات حاضر ہیں۔ علامہ شلتوت فرماتے ہیں:

"توفی کے بعد جس رفع کا ذکر ہوا ہے اس سے رتبے کی بلندی مراد ہے جسم کا اٹھایا جانا نہیں ہے کہ ظاہر قرآن رفع منزلت ہی کا متقاضی ہے"۔

(الفتاوی، طبع دارالشروق بیروت و قاہرہ ص ۶۱ تا ۶۵)

امام رشید رضا فرماتے ہیں:

"توفی لغت میں پوری طرح لے لینے کو کہتے ہیں اور یہیں سے توفی بمعنی موت استعمال ہوئے ہیں۔

نیز لکھتے ہیں: آیہ زیر بحث میں متوفیك کا لفظ پہلی ہی نظر میں قطعی موت کو واضح کرتا ہے۔ یعنی تجھے مار دینے کے بعد اپنے ہاں اونچا مقام عطا کروں گا جیسا کہ حضرت ادریسؑ کے بارے میں فرمایا و رفعناہ مکانا علیا" (المنار جلد ۳ ص ۳۱۶)

آیت کی ترتیب بدلنے کا مسئلہ

اس سلسلہ میں مصنف نے علامہ رشید رضا کے حوالے سے ذیل کا اقتباس المنار جلد ۳ صفحہ ۳۱۶۔۳۱۷ درج کیا ہے:

"قرآن کی ترتیب بدلنے والوں سے یہ بات پوشیدہ نہ ہوئی کہ سلسلہ کلام کی ترتیب کو "وجودی" ترتیب کے برعکس کسی اہم نکتے کے نمودار ہوئے بغیر ثابت کرنا وضاحت و بلاغت کے اصولوں کے منافی ہے۔ خاص کر یہاں کوئی بھی ایسا نکتہ نہیں ہے جو وحی کی "لفظی" ترتیب کو بدلنے کا جواز فراہم کرتا ہے۔ اور اگر رفع کا ذکر "وجودی" تقدیم کا متقاضی اور لازم ہوتا تو یہ ناممکن ہے کہ اس بارے میں وحی سے کوئی سہو سرزد ہو جاتا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رفع جب توفی کے بعد واقع ہوا ہے تو یہی اہم اور ناگزیر تھا کیونکہ اس میں شریر لوگوں سے نجات بھی مضمر ہے اور آنحضرتؐ کی رفعت مقام کی بشارت بھی"۔

کیونکہ مرنا۔ اگر بعد میں تسلیم کیا جائے تو مرنے کے بعد رفع کی نہ حاجت ہے اور نہ ضرورت۔ اس سے نجات کا فلسفہ بھی غلط ہو جاتا ہے اور رفعت مقام کا بھی کہ دونوں کا تعلق زندگی سے ہے۔"

(تفسیر برہان القرآن ص ص ۲۷۷۔۲۷۸)

حضرت مسیحؑ کی عمر لافانی کی حقیقت

و ان من اھل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ و یوم القیامۃ یکون علیھم شھیدا

یہ آیت جس کا ترجمہ کیا جاتا ہے کہ

اور کوئی اہل کتاب نہیں ہو گا مگر ان کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔ (نساء ۴:۱۵۷)

اور اس ترجمہ کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ ... مسیح علیہ السلام کی عمر "غیر معمولی" ہو گی وہ ہزاروں، لاکھوں برس زندہ رہ کر... جب "محسوس" فرماویں گے کہ اب روئے زمین پر کوئی بھی غیر مسیحی نہیں ہے تو فوراً مر جائیں گے۔ دوسرا استدلال یہ ہے کہ... آپ اس لئے بھی طویل العمر ہوں کہ اہل کتاب پر گواہ ہوں گے۔

غرضیکہ آپ کائنات ارضی کے آخری فرد ہوں گے جن پر سب کے بعد میں موت طاری ہو گی... حالانکہ دوسری جگہ مسیح یا کسی بھی فرد بشر کی غیر معمولی عمر کی نفی کرتے ہوئے فرمایا کہ و ما جعلنا لبشر من قبلك الخلد افان مت فھم الخالدون

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے پہلے کسی بھی فرد بشر کو غیر معمولی زندگی عطا نہیں کی۔ کیا تمہارے لئے تو معمول کے مطابق موت ہو اور ان کے لئے غیر معمولی حیات؟ (انبیاء ۲۱:۱۵)

نیز فرمایا و ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل یہ محمد صرف (خدا کے پیغمبر) ہیں ان سے پہلے بھی صاحبان رسالت گزر چکے ہیں۔ (آل عمران: ۱۴۴)

یہاں خلت پر قد کا حرف واقع ہے جو اس بات کو یقینی بنالیتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ہی تشریف لائے جب ماضی کا کوئی بھی رسول زندہ نہیں رہا تھا۔ لہٰذا مسیح کا زندہ رہنا خلت کے "مضمون" کی نفی کرتا ہے جبکہ اس مضمون کو قد کے پیرائے نے سہ آتشہ بنادیا ہے لہٰذا تضاد عیاں ہے۔

آیہ زیر بحث کا ترجمہ اصول عربیت کے خلاف ہے... رہا شہیداً کا یہ مفہوم کہ "شاہد" کو ہمیشہ بعد میں مرنا چاہئے کہ اس کے بغیر شہادت نامکمل رہے گی تو یہ مفہوم کم از کم لغت اور ادب کی روشنی میں تجویز نہیں کیا گیا۔ یہ علاوہ اس کے کہ تنہا مسیح ہی اپنی امت کے شہید نہیں ہوں گے ہر نبی اپنی امت کا گواہ ہو گا۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ فوت بھی سب سے آخر میں ہو گا۔ اگر ایسا ہوتا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی درازی عمر کا نسخہ تجویز ہو سکتا تھا کیونکہ آپ کے بارے میں بھی ارشاد ہے: فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید و جئنابک علٰی ھولاء شھیدا (نساء ۴:۴۱) اس صورت حال کو نظر میں رکھئے جب ہر امت کا رسول شہید ہو گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر یعنی اپنی امت پر شہید ہوں گے۔

اور ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو دوبارہ بلانے والے مسلمان جب یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے وقت پر وصال فرما کر اپنے وقت تک امت پر گواہی دیں گے۔ لیکن آپ کے بعد والی امت پر جب مسیح آئیں تو شہید بنادیئے جائیں گے۔ آخر اتنا خصوص اور امتیاز تنہا مسیح ہی کے لئے کیوں خاص ہے؟ یہ تو عجیب تقسیم ہے؟ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ مسیح علیہ السلام جب تشریف لائیں گے تو وہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف اصلاح فرمادیں گے؟ لیکن یہ عقیدہ تو پہلے عقیدہ کی بہ نسبت زیادہ برا اور زیادہ سنگین ہے کہ اس طرح آپ اپنی زبانی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی اور شخصی کمالات پر مسیح کی مسیحانفسی کا زیادہ اعتراف کرجاتے اور زیادہ قابل ترجیح ٹھہراتے ہیں۔

منکرین مسیح کا خاتمہ اور مسیح کی تادیر زندگی

یہ بات کہ جب تک تمام تر یہودی آپ پر ایمان نہیں لاتے آپ کا مشن نامکمل رہے گا اور آپ تادیر زندہ رہنے پر مجبور ہو جائیں گے جہاں واقعات و حقائق کے خلاف ہے (۱) وہاں اس حقیقت کے منافی بھی ہے کہ مسیح کے منکرین "ختم" نہیں ہوں گے بلکہ مسیح کے ماننے والے اور آپ کے منکرین قیامت تک ساتھ چلتے رہیں گے فرمایا و جاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ تمہارے ماننے والوں کو تمہارے منکروں پر بالادستی عطا کروں گا اور یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا (آل عمران ۳:۵۵)۔ اب جب یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا تو مسیح کا تادیر زندہ رہنا فضول ہے اور یہاں مسیح سے مراد "مسیحیت" ہے جو اپنے راستی کے اصولوں پر قائم و زندہ رہے گی اور بس۔

موت کا قانون اور زندگی دوام

جہاں تک "اثری" اور تاریخی "اکتشافات" کا تعلق ہے وہ ظاہر کرتے ہیں کہ انسان طویل سے طویل العمر ہو تو بھی ہزار سال سے زیادہ کی عمر کا نہیں ہو گا۔ آخر موت کا قانون اسے دبوچ لے گا اور وہ فنا کی گود میں چلا جائے گا۔ یعنی کہ موت کو موخر کرنے والا کوئی دوسرا قانون موجود نہیں ہے۔ اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیھا الموت و یرسل الاخری الی اجل مسمی یہاں موت کی دو قسمیں بیان کرتے ہوئے واضح فرمایا کہ اللہ انسانوں کی وفات موت کے وقت کرتا ہے اور جس کی موت کا وقت نہیں آیا اور وہ نیند کی حالت میں ہے تو اسے نیند ہی کی حالت میں وفات دی جاتی ہے' (مگر اس قانون کے مطابق ہوتا یہ ہے کہ) "حقیقی موت" والے کی روح کو روک دیا جاتا ہے۔ (یعنی جسم کی طرف دوبارہ واپس آنے سے روک دیا جاتا ہے) اور دوسری قسم کی روح کو واپس بھیج دیا جاتا ہے کہ وہ پھر مقررہ وقت تک اسے زندہ رکھتی ہے۔ (زمر ۳۹:۴۲)

اس آیت میں "قبض روح" کا قانون واضح کیا ہے کہ وہ یا تو نیند کی حالت میں واقع ہوتی ہے یا اپنے وقت پر بیداری کی حالت میں۔۔۔ اس طرح "نیند" کی حالت میں "قبض" ہونے والی روح تو واپس آجاتی ہے مگر "حقیقی" قبض والی روح روک دی جاتی ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو نیند کی حالت میں وفات نہیں دی گئی تھی۔ حقیقی روح قبض کرلی گئی تھی جو قانون خداوندی کے مطابق دوبارہ لوٹ کر نہیں آتی۔ لہٰذا مسیح کے

لئے "زندگی دوام" کا اہتمام کرنا یا غیر معمولی زندگی تسلیم کرنا۔ جہاں تکلفات کے پٹ کھول دیتا ہے۔ وہاں موت کے قانون کی تکذیب کا راستہ بھی صاف کر دیتا ہے اعاذاللہ منہ

مسیح کی تشریف آوری کن کے لئے؟

مسیح نئی زندگی لے کر آئیں یا سابقہ زندگی کے ساتھ دوبارہ نزول اجلال فرما دیں وہ ضرور آئیں بصد "عشوہ" و ناز آئیں۔ ہمیں ان کی تشریف آوری پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن وہ قدرت کے درجنوں "ضابطے" توڑ کر جب آئیں گے تو ہمارے لئے نہیں آئیں گے۔ بنی اسرائیل کے رسول تھے دوبارہ اگر آئیں گے تو انہیں کی اصلاح اور تربیت کے لئے آئیں گے۔ ہم سے ان کا کوئی غرض واسطہ نہ ہو گا۔ ہم اگر اپنی اصلاح اور ہدایت کے لئے ان کی انتظار میں رہتے ہیں تو یہ نہ صرف قرآن کی واضح "تنبیہہ" کو جھٹلا کر مسیحؑ کو اپنا رہنما تسلیم کرنے کا غیر اصولی "عمل" ہو گا۔ ان حقائق کی نفی کرنے کی جسارت بھی ہو گی جو مسیحؑ کے نزول ثانی کو لایعنی قرار دیتی اور قانون فطرت کے منافی ٹھہراتی ہیں۔ ارشاد ہے: ورسولا الی بنی اسرائیل اور عیسیٰ بنی اسرائیل کے رسول ہیں (ہمارے نہیں کہ ہم ان کے انتظار میں رہیں (عمران ۳:۴۹)

مسیح کتنی عمر پا کر فوت ہو گئے؟

قرآن پاک اپنے قطعی انداز میں وفات مسیح کا عقیدہ مرحمت فرماتا ہے۔ لیکن روایات کے "پرستار" اس پر مطمئن نظر نہیں آتے وہ کہتے ہیں کہ حضرت موصوف "لامحالہ" زندہ و سلامت ہیں اور آپ کا دوبارہ نزول علامات قیامت میں سے ہے۔ قیامت جب قریب ہو گی آپ لازمی طور پر تشریف لے آئیں گے وغیرہ۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ ان کا فرمایا ہوا مسترد ہے لیکن قرآن کے قطعی بیان کو اس بنا پر نظر انداز کر دینا کہ اس سے کسی کا فرمان متاثر ہوتا ہے کچھ زیادہ وزنی معلوم نہیں ہوتا۔۔۔ یہ بات اگرچہ ہمارے ذاتی مشاہدے میں آ چکی ہے کہ مسیح علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اور بیت المقدس میں آپ کی قبر مقدس موجود ہے اور اس پر "عظیم الشان" کلیسا تعمیر کیا گیا ہے۔ تاہم اپنے مشاہدے کے حوالہ سے بات کرنے سے بہتر ہو گا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی "عمر مسیح" کے تعین سے وفات مسیح کا کھلا استدلال کر کے دکھا دیں کہ مسیح علیہ السلام ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی اطلاع کے مطابق (نیز) فوت ہو چکے ہیں۔۔۔ اس روایت کو بیان کرنے والے ٹھیک ہی کہتے ہوں گے۔ لو کان موسی و عیسی حیین لما وسعھما الا اتباعی موسیٰ اور عیسیٰ اگر میرے عہد تک زندہ ہوتے تو میرا اتباع کئے بغیر نہ رہتے (الیواقیت والجواہر شعرانی ۲:۲۰)

یہاں "لو" حرف شرط ہے اور "لما" اس کا جواب ہے یعنی ان کا زندہ ہونا میری اتباع کی شرط سے وابستہ تھا لیکن چونکہ زندہ نہیں تھے لہٰذا ان پر میری فرماں برداری واجب نہیں رہی یہاں "اتباع" کو معاون اور حامی کے مفہوم میں لیا جائے گا کہ ایک نبی دوسرے نبی کا معاون ہی کہلاتا ہے۔ بس وہ مطیع اور امتی نہیں بن پاتا کہ یہ سنت اللہ کے خلاف ہے۔

وفات مسیح عالمی ضرورت ہے

وفات مسیح ایک "مسلمہ" حقیقت ہے اور "رسالت محمدیہ" کے آفاقی اور ابدی ہونے کے لئے مسیح کا مر جانا ضروری ہے۔ لیکن "سنی" منحرفین کا "عقائدی" نظام چونکہ روایات پر استوار ہے لہٰذا ان کا اصرار ہے کہ بات چاہے کچھ بھی ہو۔ رسول اللہ کے بعد مسیح کا آنا "امر مبرم" ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مسیح نے بنی اسرائیل کو برملا اور واشگاف الفاظ میں "متنبہ" کیا تھا کہ میری بعثت کا مقصد تعلیمات تورات کی توثیق کرنے کے علاوہ یہ بھی ہے کہ میں تم کو بتاتا چلوں کہ "میرے جانے کے بعد" احمد نامی مرسل ضرور آئے گا یہاں "میرے جانے کے بعد" کا فقرہ ہمہ گونہ ابہام اور اجمال کی نفی کرتے ہوئے واضح کرتا ہے کہ مسیح اگر کسی طرح کی "غیر معمولی" حیات کے "متحمل" ہوتے تو دنیا آج تک رسول اللہ کی عالمتاب "شخصیت" بلکہ اسم مبارک ہی سے آشنا نہ ہو سکتی تھی کیونکہ آپ کا تشریف لے آنا مشروط ہے مسیح کے چلے جانے کے بعد سے۔ ارشاد ہے واذ قال عیسی ابن مریم یٰبنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقالمابین یدی من التوراۃ و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد تاریخ رسالت کے اس واقعہ کو یاد رکھو جب مسیحؑ نے بنی اسرائیل کو مخاطب ہوتے واضح کیا کہ (میرے آنے کے دو مقاصد ہیں ایک تو) میں تم اسرائیلیوں ہی کا رسول ہوں۔ تورات کی تصدیق کرنے آیا ہوں اور (دوسرا یہ بتلانے آیا ہوں کہ) میرے جانے کے بعد ایک عظیم رسول جس کا نام احمد ہو گا تشریف لے آئیں گے (صف ۶۱:۶)۔

یعنی مسیحؑ نے اپنے دوسرے مقصد میں واضح فرمایا کہ میری رسالت بنی اسرائیل تک محدود ہے میں دراصل احمد کی عالمی رسالت کا دیباچہ ہوں۔

حضرت مولانا محمد علی "بیان القرآن" میں

حضرت ابو ہریرہؓ کی طرف ایک روایت منسوب ہے جس میں نزول ابن مریمؑ کا ذکر کرنے کے بعد انہوں نے فرمایا فاقرؤا ان شئتم و ان من اھل الکتاب یعنی جہاں رسول اللہ صلعم سے یہ روایت کی کہ ابن مریمؑ حکم عدل ہو کر نازل ہو گا' کسر صلیب کرے گا اور قتل خنزیر کرے گا اور تمہارا امام تم میں سے ہو گا۔ تو ساتھ اپنی طرف سے بڑھایا کہ چاہو تو یہ آیت پڑھ لو کہ اہل کتاب میں سے کوئی نہیں مگر وہ اپنی موت سے پہلے اس پر ضرور ایمان لایا ہے یا لائے گا اور مراد اس سے یہ لی گئی ہے کہ سب یہودی حضرت عیسیٰؑ پر ان کے دوسرے نزول کے وقت ایمان لے آئیں گے۔ جو شخص یہ روایت بیان کرتا ہے کہ نازل ہونے والا ابن مریم تمہارا امام تمہیں میں سے ہو گا وہ یہ عقیدہ نہیں رکھ سکتا کہ حضرت عیسیٰ خود دوبارہ آئیں گے۔ پس حضرت ابو ہریرہؓ کا مطلب اس آیت کی طرف توجہ دلانے سے یہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت عیسیٰؑ کے دوسرے نزول میں سب یہودی ایمان لے آئیں گے علاوہ ازیں یہاں صاف فرمایا کہ یوم القیامۃ یکون علیھم شھیدا کہ مسیحؑ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے کن پر؟ یہودی مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ دوسری جگہ خود بتا دیا کہ وہ کون لوگ ہیں جن پر حضرت عیسیٰؑ گواہ ہوں گے و کنت علیھم شھیدا مادمت فیھم (المائدہ ۵:۱۱۷) یعنی عیسائی لوگ حضرت عیسیٰؑ کی اپنی امت۔ پس یہاں اہل کتاب سے یہودی ہرگز مراد نہیں' عیسائی مراد ہیں اور پھر یہودیوں کا حضرت عیسیٰؑ پر دوبارہ نزول کے وقت ایمان لانا بے معنی ہے۔

اگر دوبارہ نزول فرض بھی کر لیا جائے تو ایمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ لائیں گے نہ حضرت عیسیٰؑ پر۔ اس وقت حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لانے کے معنی یہ ہوئے کہ اس وقت کے نبی حضرت عیسیٰؑ ہوں گے حالانکہ عام عقیدہ کے مطابق بھی وہ محض مجدد ہو کر آئیں گے نہ نبی ہو کر پھر ان پر ایمان لانے کے کیا معنی اور پھر جو حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لائیں گے یہاں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ان پر قیامت کے دن شہید ہوں گے گویا امت محمدیہ کے ایک بڑے حصہ پر جو حضرت عیسیٰؑ کے ذریعہ سے مسلمان ہو گا شہید حضرت محمد مصطفیٰ صلعم نہ ہوں گے بلکہ حضرت عیسیٰؑ ہوں گے حالانکہ قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید و جئنابك علی ھولاء شھیدا (۴۱) یعنی ہر امت میں اس کا رسول شہید ہو گا اور آپ یعنی محمد مصطفیٰ صلعم ان پر یعنی امت محمدیہ پر شہید ہوں گے۔ مگر حضرت عیسیٰؑ کو دوبارہ لانے والے آنحضرت صلعم کو آدھی امت محمدیہ پر شہید ٹھہراتے ہیں اور باقی آدھی بلکہ زیادہ پر حضرت عیسیٰؑ کو شہید بناتے ہیں اور ساتھ ہی حضرت عیسیٰؑ کو اپنی ساری امت پر بھی شہید ٹھہراتے ہیں تلك اذا قسمۃ ضیزی کاش مسلمان غور کرتے تو حضرت عیسیٰؑ کے نزول ثانی کا مسئلہ کس قدر آسان تھا۔

پھر یہ حصر کہ سب کے سب یہودی ایمان لائیں گے اول تو کروڑہا یہودی نزول سے پہلے مر چکے وہ کس طرح ایمان لائیں گے' دوسرے قرآن شریف صاف فرماتا ہے و جاعل الذین اتبعوك فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ (آل عمران:۵۵) پس حضرت عیسیٰؑ کے منکر بھی قیامت تک رہیں گے' اس لئے سب یہودیوں کا ایمان لانا صریح اس آیت کے خلاف ہے۔

جیسا کہ اوپر دکھایا گیا۔ یہاں اہل کتاب سے مراد عیسائی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اگلی آیت میں جب پھر یہودیوں کے ذکر کی طرف عود کیا تو صرف ضمیر پر اکتفا نہیں کیا نہ وہاں اہل کتاب کا لفظ استعمال کیا جیسے پہلے کیا تھا بلکہ صاف فرمایا فبظلم من الذین ھادوا اور مطلب صاف ہے کہ حالانکہ عیسائی خود حضرت عیسیٰؑ کے صلیب پر مرنے کے معاملہ میں شک میں ہیں اور ان کو یقین نہیں مگر ان میں سے ہر ایک اس پر اپنی موت سے پہلے ایمان ضرور لاتا ہے۔ عیسائیت کی بنیاد حضرت مسیحؑ کے مصلوب ہونے پر ہے اگر مسیحؑ صلیب پر فوت نہیں ہوئے تو نہ انہوں نے لوگوں کے گناہوں کی لعنت اٹھائی نہ وہ کفارہ ہو سکتے ہیں اور موت سے پہلے کا لفظ اس لئے بڑھایا کہ موت سے پہلے ضرور ہے کہ پادری عیسائی عقیدہ کا اقرار کرائے پس مطلب صاف یہ ہے جو عین سیاق عبارت کے مطابق ہے کہ عیسائی خود شک میں ہیں کہ صلیب پر موت واقع ہوئی یا نہیں مگر با ایں اس بات پر اپنی موت سے پہلے ایمان ضرور لاتے ہیں گویا بتایا ہے کہ ان کا ایمان ان کی اپنی تاریخ کے خلاف ہے اور حضرت عیسیٰؑ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے یعنی بتائیں گے کہ کس طرح انہوں نے ان کی تعلیم کے خلاف اور واقعات کے خلاف ایک عقیدہ قائم کر لیا۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے صحیح معنی نہ سمجھے تھے تو خود حضرت ابن عباسؓ نے ان معنوں کی تردید کی ہے کیونکہ ابن جریر میں متعدد روایات سے ثابت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اس کے معنی یوں کرتے تھے کہ ہر یہودی اپنی موت سے پہلے حضرت عیسیٰ پر ایمان لاتا ہے کہ وہ خدا کے رسول تھے اور دوسری قرأت قبل موتھم (ث) اس کی موید ہے اور حضرت ابن عباسؓ کا فہم قرآن بہرحال حضرت ابو ہریرہؓ سے بڑھ کر ہے۔

اور جو معنی میں نے کئے ہیں ان میں مضمون کا انتقال عیسائیوں کی طرف لیا گیا ہے اور یوم القیامۃ یکون علیھم شھیدا سے یہ ظاہر ہے اور اگلے رکوع کے شروع میں بھی۔ اسی لئے عیسائیوں کے عقیدہ باطلہ کا ذکر ہے۔ گویا قرآن کریم نے اگر ایک طرف یہود کی تفریط کا ذکر کیا تو ساتھ ہی عیسائیوں کو بھی ان کے غلو پر ملزم کیا ہے۔